بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

THE QUR'AN REFUTED

BY

MASTER RAM CHANDER DEHLVI

مصنف

ماسٹر رام چندر صاحب دہلوی

جن کی تصنیفات سے تحریف قرآن اور مسیح الدجال ہیں۔

1895ء

دیباچہ اعجازِ قرآن

معجزہ وحی یا الہام ایک ایسا پنہانی امر ہے کہ خود واضح ثبوت کا محتاج ہے اور جب تک مدعی الہام ایسے ثبوت نہ دے اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوسکتا اور نہ اس کا کلام انسان کے ایمان اور عمل پر الہیٰ حکم رکھتا ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے کلام کے لئے ویسے واضح ثبوت نہ دیئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ مسیح نے اپنے کلام کی سند کے لئے دیئے تھے بلکہ ویسے ثبوتوں سے صاف انکار کیا۔تاہم اپنی بابت اور اپنی باتوں کی بابت کچھ حالات بیان کئے ہیں اور ان کو معجزہ وحی کے لئے دلیل کھہ دیا ہے۔ اس رسالہ اعجاز قرآن میں ان حالات کی تفتیش کی گئی ہے اور اس کی ہر فصل میں ایک ایک دلیل کو جانچا گیا ہے اور قرآن اور حدیث اور تفاسیر سے اور معقولی طور سے بھی ان دلائل کا باعث ہونا ثابت کیا گیا ہے اور دکھلایا گیا ہے کہ بیانات مندرجہ قرآن کے لئے وحی کی کچھ ضرورت نہ تھی۔

یہ ایک پرزور کتاب ہے اور اس امر کی متقاضی ہے کہ اہل اسلام اس کو ضرور پڑھیں اور ان ادلا کی کیفیت معلوم کریں جو ان کا نبی معجزہ وحی کے لئے دیا کرتا تھا۔ اب اس کو ترمیم کرکے فائدہ عام کے لئے دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ نقیض فصلوں کے عنوان بدل دیئے گئے ہیں اور ایسے عنوان لگائے گئے ہیں جو مضمون فصل کے زیادہ ترمناسب ہیں اور ، اور باتوں میں بھی واجبی کمی بیشی کی گئی ہے۔ طرز عبادت قریباًوہی ہے۔ جیسی پہلی طبع میں تھی۔

اعجازِ قرآن

فصل اوّل

معجزہ وحی کی تفتیش میں

اس فصل میں یہ امر تحقیق کیا گیا ہے کہ قرآن میں جو انبیاء سلف کے قصے اور اہل کتاب کی روائتیں درج کی گئی ہیں اور حضرت محمد ﷺ ان کے موقع واردات پر موجود نہ تھے تو کیا حضرت محمد ﷺ کا اس سے استدلال کرنا کہ میں موقعہ واردات پر موجود نہ تھا اس لئے یہ باتیں ضرور مجھ کو وحی کی گئی ہیں صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور برعکس اس دلیل کے ثابت کیا گیا ہے کہ عرب اور شام کے رہنے والے اہل کتاب میں وہ باتیں مشہور ومروج تھیں اور کہ حضرت محمد ﷺ دعویٰ نبوت سے پیشتر پندرہ برس تک اپنے طور پر متلاشی دین رہے تھے اور اہل کتاب میں نشست وبرخاست رکھی تھی۔ لہذا موقعہ واردات پر موجود ہونیکے بغیر ان سب باتوں سے واقف ہوگئے تھے جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں ۔ پس موقعہ واردات پر موجود نہ ہونا معجزہ وحی کی دلیل نہیں ہے یہ نتیجہ کئی ایک نظیروں سے ثابت کیا گیا ہے۔

چنانچہ دفعہ (1)قرآن کی سورہ آل عمران میں یہ بیان کرکے کہ فرشتہ جبرئیل پاس مریم بتولہ مبارک کے آیا تاکہ بشارت ولادتِ مسیح کی دیوے آیت 39 یہ ہے : ذَلِكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُون أَقْلاَمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ :

ترجمہ: یہ خبریں غیب کی ہیں ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پالے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔

مراد یہ ہے کہ قصہ حضرت مریم بتولہ حضرت محمد ﷺ کو فقط وحی سے معلوم ہوا اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ قرابتی حضرت مریم بتولہ کے جھگڑا کرتے تھے کہ کون ان کو پالے اور اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے قرعہ ڈالتے تھے اس وقت حضرت محمد ﷺ ان لوگوں کے بیچ میں موقع واردات پر موجود نہ تھے کہ وہ قصہ مریم کو جانتے ۔ سب مفسرین اہل اسلام یعنی بیضاوی اور معالم اور حسینی وغیرہ یہی لکھتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو کوئی قصہ مریم بتولہ اور انبیاء سلف کا جو قرآن میں مذکور ہے معلوم نہ تھا یعنی نہ سنا تھا اور نہ پڑھا تھا پس سب وحی خدا سے معلوم ہوا تھا نسبت لفظ غیب کے تفسیر حسینی میں یہ لکھا ہے کہ جو آئیتیں قصہ مریم اور ذکریا اور یحیی علیہ السلام کے ذکر میں ہوئیں اخبار پوشیدہ ہیں اور بجہتِ اظہار کے ہم تجھ کو وحی کرتے ہیں اور جبرئیل کی زبانی ارسال کرتے ہیں۔ یہ معجزہ وحی جس کا صاحب تفسیر حسینی ذکر کرتا ہے ہر گز معجزہ نہیں۔

اول یہ ظاہر ہے کہ قصہ مریم بتولہ اور یحییٰ علیہ السلام کا انجیل مقدس اور عقائد اور کتب اور احادیث نصاریٰ عرب وغیرہ میں مذکور تھا اور لاکھوں عیسائیوں کی زبان پر قدیم سے مشہور تھا اور ان کے وسیلہ سے اور ملت کے لوگ بھی جو آمدورفت نصاریٰ سے رکھتے تھے اس کو بلاشبہ جانتے تھے جیسا کہ بہت سے ہنود جو اہل اسلام کی صحبت میں رہتے ہیں بہت قصے قرآن وحدیث کے جانتے ہیں اور قصوں مثلاً قصہ سکندر اعظم اور اہل روم وغیرہ کا تو کیا ذکر ہے ۔ پس اگر کوئی ہندو یہ کہے کہ چونکہ میں زمانہ حضرت محمد ﷺ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا سکندر اعظم یا اہل روم کے ساتھ جنگ میں موجود نہ تھا اور میں قصہ حضرت محمد ﷺ وموسیٰ علیہ السلام وسکندر اعظم بیان کرتا ہوں ۔ پس یہ وجہ ہے کہ مجھے یہ قصے وحی خدا سے معلوم ہوئے تو ایسے آدمی کے قول پر کون اعتبار کرسکتا ہے ۔ اگر ایسا شخص معجزات معتبرہ بھی ظاہر کرے تو بھی اس قول کا یقین نہیں ہوسکتا ہے باوصف ان معجزات کے لوگ اس کو جھوٹا کہیں گے ۔ اس امر کا اہل اسلام بھی انکار نہیں کرتے اور نہ کرسکتے ہیں۔

اب اگر حضرت محمد کو بھی ایسا موقعہ اور سہوات واقفی حاصل کرنیکی نہ ہوتی تو موقعہ واردات پر موجود نہ ہونے کا کچھ عذر زور رکھتا۔ اور معجزہ وحی کی گنجائش ہوسکتی لیکن معاملہ دگرگون تھا اس لئے حضرت محمد ﷺ کی دلیل بیکار ہے۔

دوم۔ حاضر ہونا موقع واردات پر جو حضرت محمد کے لئے محال تھا کہ وہ قریب چھ سو سال بعد زمانہ مسیح کے پیدا ہوئے تھے تو ضرور تھا کوئی اہل کتاب میں سے یعنی کوئی یہود و نصاریٰ میں سے ان کو سنادے یا سکھادے جیسے انبیاء سلف بھی پڑھتے لکھتے تھے اور کتب مقدسہ پیشین کو مطالعہ کرتے تھے نہ یہ کہ فرشتہ مشہور وحی خدا سے دریافت کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ البتہ وحی خدا سے وہ دقایق معنی کو سمجھتے تھے اور نئے احکام اور باتیں ظاہر کرتے تھے اور حالات آئیندہ یعنی پیشن گوئیوں کو بیان کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ایسی بات کو بطریق معجزہ کے نہیں بیان کرتا ہے جو اس کے بندوں سے ہوسکتی ہو مثلاً جاننا قصہ حضرت مریم کا ہر عرب مشرک اس کو کسی عیسائی عرب سے دریافت کرسکتا تھا۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ وحی حضرت محمد ﷺ سے یہ مراد ہے کہ سابق میں مثل جمہور اہل عرب مشرکین حضرت محمد ﷺ غافل تھے اور ایمان اور طریقہ خدا سے اور حالات انبیاء سابقہ سے بے پرواہ لیکن اب ان کو بعض علماء یہود و نصاریٰ نے سکھایا اور فضل خدا سے ان کو ایمان خدا واحد پر ہوا اور قصص انبیاء پر انکو یقین ہوا ایسا کہ گویا ان قصص کے حالات کو دیکھ لیا گو موقع واردات پر موجود ہونا غیر ممکن تھا۔

سوم۔ اصل مطلب آیت قرآنی کا کہ نہ تھا تو ان کے پاس یہ ہے کہ ایک یا کئی اہل کتاب میں سے قائم مقام کل اہل کتاب کے ہو کر حضرت محمد ﷺ کو تعلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلا مدد ہمارے ممکن نہ تھا کہ تجھ کو قصہ حضرت مریم معلوم ہوتا پس ہم اس کو وحی یعنی ظاہر کرتے ہیں اور اگرچہ حضرت محمد صاحب کو یہ منظور نہ تھا کہ اہل کتاب سے تعلیم پانیکا اقرار کریں اور ہمیشہ اس بات کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ بت پرست عرب اس بات کی گرفت کرتے تھے اور غالباً ان کو یہ بھید کسی قدر معلوم بھی ہوگیا تھا چنانچہ قرآن میں کئی بار ان کے اس علم کو ٹالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اہل کتاب کی اس تنبیہ کو کہ نہ تھا تو ان کے پاس اپنی وحی کی دلیل ٹھہرایا اور اسی سے بت پرستوں کے سامنے اہل کتاب سے تعلیم پانے کی انکار کی بھی خوب وجہ مل گئی تاہم یاد رہے کہ ایسا عذر حضرت محمد ﷺ نے اہل کتاب کے سامنے نہیں کیا تھا اور نہ کرسکتے تھے۔

دفعہ (2) سورہ ہود میں بعد یوں بیان کرنے قصہ نوح اور طوفان نوح کے آیت 51 میں یو لکھا ہے تِلْكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلاَ قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَـذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ :

ترجمہ: یہ اخبار غیب سے ہے کہ ہم بھیجتے ہیں طرف تیری (یعنی حضرت محمد کی) انکو جانتا نہ تھا تو نہ تیری قوم اس سے پہلے سو تو ٹھہرارہ آخر بھلا ہے ڈروالوں کا (یعنی خدا سے ڈرنے والوں کا) اصل لفظ عربی بجائے یہ کہ تلک ہے اور اس پر بیضاوی لکھتا ہے کہ اشارۃ الی قصہ نوح یعنی اشارہ ہے طرف قصہ نوح کے۔ اور لفظ عربی جس کا ترجمہ ہم بھیجتے ہیں نوحیھا ہے اور اس کا ترجمہ لفظی ہم وحی کرتے ہیں اور مفسرین اہل اسلام لکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ قبل اس کے کہ حضرت محمد ﷺ کو وحی قرآن ہوئی ان کو اور ان کی قوم کے لوگوں یعنی عربوں مشرکین کو اس قصہ نوح سے ناواقفیت تھی۔ آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ قصوں حضرت مریم اور حضرت نوح دونوں کو اخبار غیب بیان کیا ہے کہ ان کا معلوم ہونا حضرت محمد ﷺ کو کسی طرح ممکن نہ تھا الا اس صورت میں جبکہ وہ موقع واردات پر موجود ہوتے پس اگر کوئی کہے کہ گو قصوں انبیاء سلف کو حضرت محمد ﷺ نے اہل کتاب سے پہلے سنا ہو پھر بھی ان کا علم یقینی اور غیبی ان کو فقط وحی خدا سے حاصل ہوا تو یہ قول صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ اس قول کے موافق یہ قصے اخبار غیب نہیں کہلاسکتے اس لئے کہ مشہور و مروج اور اگلی کتابوں میں موجود تھے اور پھر ان واقعات کا علم یقینی اور عینی فقط وحی کے ذریعہ سے حاصل ہونا قابل غور ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو یہ یقین تھا کہ اگلی کتابیں برحق ہیں جیسا سورہ یونس رکوع 4 آیت 37 میں ہے اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنالے اللہ کے سوائے ولیکن سچا کرنا اگلے کلام کو اور تفصیل ہے کتاب کی جس میں شبہہ نہیں جہان کے صاحب سے۔ اور پھر حضرت محمد ﷺ کو یہ بھی معلوم تھا کہ قرآن والی باتیں اگلے نوشتوں میں لکھی ہیں جیسا سورہ شعراء رکوع 11 آیت 192۔ اور یہ قرآن ہے اتارا جہان کے صاحب کا کھلی عربی زبان سے اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں۔ اور پھر یہ بھی مانا کہ قرآن اگلے کلام کے موافق ہے جیسا سورہ یوسف آخری آیت میں ہے کچھ بات بنائی ہوئی نہیں لیکن موافق اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے۔ ان مقامات سے ظاہر

ہے کہ قرآن کی باتوں کو حضرت محمد ﷺ اپنی بنائی ہوئی باتیں نہیں کہتے لیکن اگلی کتابوں کی باتیں قرار دیتے ہیں اور وہ سچ ہے اس لئے قرآن بھی سچ ہے ۔ سو حضرت محمد ﷺ کو واقعات سابقہ کا یقین اسلئے ہوا تھا کہ وہ کتب سابقہ میں مذکور ہیں۔ اور کہ اسی ذریعہ سے حضرت محمد ﷺ کو ان باتوں ک یقین آیا تھا اس ہدایت سے اور بھی مصرح ہے جو سورہ یونس آیت 94 میں مرقوم ہے ۔ کہ اگر تو شک میں ہے اس چیز سے جو اتارا ہے ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے ۔ بیشک آیا ہے تجھ کو حق تیرے رب کی طرف سے سومت ہو شبہہ لانے والا۔

ان مقامات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو ان واقعات کا یقین اگلی کتابوں سے آیا تھا۔ مگر باوجود اس اجابت کے حضرت محمد سورہ بقرہ آیت 96 میں کہتے ہیں کہ جو کوئی دشمن ہوگا ۔ جبرئیل کا اس لئے کہ اس نے اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے سچ بتانا اس کلام کو جو آگے ہے ۔ اب ایک طرف اجابت بالا ہے اور دوسری طرف بیرونی حالات اور حضرت محمد ﷺ کے خانگی تعلقات اس قسم کے تھے کہ علم یقینی اور غیبی کے لئے جبرئیل کی کچھ بھی ضرورت ثابت نہیں ہوتی حضرت محمد ﷺ کی صرف بات ہی بات ہے وہ بیرونی تعلقات اور خانگی حالات حسب ذیل: یعنی ۔

بہت سے لوگ خاص مکہ اور، اور شہروں کے عرب نصاریٰ تھے مثلاً ورقہ بن نوفل جو چچازاد بھائی حضرت محمد ﷺ کی بیوی اول یعنی حضرت خدیجہ کا تھا۔ علاوہ ازیں یہودی مدینہ میں کثرت سے اور مکہ میں بھی رہتے تھے اور یہ سب یہودی و نصاریٰ اس قصہ نوح سے واقف تھے اور شبہہ نہیں کہ ان سے سن کر بعض عرب مشرکین بھی اس قصہ نوح کے طوفان سے واقف ہونگے جیسے کہ ہندوستان میں بہت ہنود بہ سبب تحصیل فارسی یا صحبت اسلام و نصاریٰ کے اس قصہ سے واقف ہیں اور چونکہ قبل از دعویٰ نبوت کے حضرت محمد ﷺ متلاشی دین حق کے تھے اور امور دین میں صاحب غور وفکر تھے تو وہ بالاولیٰ اس قصہ سے واقف ہونگے بہر حال واقف ہونا اس قصہ سے معجزہ وحی نہیں ثابت کرتا ہے ۔ پس ظاہر ہے کہ اس قول قرانی کا یہ مقصد نہیں ہوسکتا ہے کہ سارے عرب مشرکین اور حضرت محمد ﷺ ناواقف مطلق تھے بلکہ یہ مراد ہوسکتی ہے کہ قبل از دعویٰ نبوت کے حضرت محمد ﷺ اور عرب مشرکین عموماً اس قصہ کو ایماناً اور یقیناً نہیں جانتے تھے اور یہ وہی بات ہے جو ہم نے دفعہ (1) میں بیان کی پس یہاں سے بھی ظاہر ہے کہ وحی حضرت محمد ﷺ سے علم ایمانی اور یقینی بذریعہ بعض علماء اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے مراد ہے اور یہ ہر گز تسلیم نہیں ہوسکتا کہ جو بات گروہوں کثیر میں مشتہر ہو اور ان کی کتب میں مذکور ہو اور ان گروہوں کے لوگ مکہ ومدینہ میں ملے جلے اہل عرب مشرکین سے رہتے ہوں اور پھر بھی قصائیص انبیاء سلف حضرت محمد ﷺ کو بغیر وحی خدا نہیں معلوم ہوئے ہوں کیونکہ یہ ایک بات ہے کہ جس کے لئے وحی خدا ضرور نہیں جیسے کہ اس بات کے لئے ضرور نہیں کہ حضرت محمد ﷺ مکہ میں رہتے تھے یا یہ کہ حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں اہل روم نصاریٰ تھے اور عیسیٰ مسیح کو اپنا پیغمبر اور شفاعت کرنے والا تسلیم کرتے تھے اور علی ہذا القیاس اور اگر کوئی دعویٰ کرے کہ اس قبیل کی باتیں مجھ کو فقط وحی خدا سے معلوم ہوئیں اور نہ اور طرح تو وحی خدا کے علم میں اور دینوی علم میں کچھ امتیاز نہ رہا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی حکم نہیں دیتا کہ انبیاء ایسے نامعقول اور بے معنی دعویٰ کریں ۔

پس وہ قصے جو دفعہ 1و2 میں بیان ہوئے اور جن کو حضرت محمد ﷺ موقعہ واردات پر اپنی عدم موجودگی کی وجہ سے وحی کی طرف سے منسوب کرتے ہیں یوں سمجھنے چاہیے کہ ایک یا کئی اہل کتاب سے جو حضرت محمد ﷺ کو تعلیم کرتے تھے کہتے ہیں کہ اہم اہل کتاب نے یہ قصہ نوح تجھ پر وحی یا ظاہر کیا بلاہمارے درس وتدریس کے تجھ کو ہر گز معلوم نہ ہوتا الا اس صورت میں کہ تو حضرت نوح کے ساتھ ہوتا اور یہ محال ہے مگر حضرت محمد ﷺ نے ان قصوں اور اس تنبیہ کو ایسے طور پر ادا کیا کہ سمجھا جاوے کہ وحی نے یہ سب کچھ کہا تھا حالانکہ وہ قصے اور دلیل بھی اہل کتاب کی باتیں تھیں ورنہ وحی کو ایسے عذر کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر وحی آیا ہوتا تو وہ واضح دلائیل کا بندوبست کرجاتا وحی کا ثبوت ایسے عذر وحیلہ کے ماسوا ہونا چاہیے تھا۔

دفعہ (3)۔سورہ یوسف کی آیت 3 میں یوں لکھا ہے: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَـذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ

ترجمہ: یعنی ہم بیان کرتے ہیں تجھ کو ایک بہت اچھا قصہ اس ذریعہ سے وحی کی ہم نے تجھ کو یہ قرآن (یعنی سورہ قرآن) اور تھا تو اسکے پہلے غافلین میں سے (یعنی اس قصہ کی خبر نہیں رکھتا تھا)۔ لفظ غافلین کی تفسیر قاضی بیضاوی یہ کرتا ہے کہ (ان ھذا القصتہ لم تخطر ببالک ولمہ تقرع سمعک قط وھو تعلیل لکونہ موحی یعنی اس قصہ سے نہیں خیال کیا تو نے تیرے دل میں اور نہیں حرکت دی تیرے کان کو (یعنی نہیں سنا) اور یہ بنیاد باعلت اس کے (یعنی قصہ کے) وحی کئے جانے کی ہے۔

بیضاوی اور ،اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہودیوں کی ترغیب سے مشرکینِ عرب نے حضرت محمد سے سوال کیا تھا کہ آلِ یعقوب مصر کو کیوں گئی اس کے جواب میں یہ سورہ نازل ہوا چناچنہ تفسیر حسینی میں یہ لکھا ہے:

درروایت آمدہ کہ علماء یہود بعض اشراف عرب را گفتند کہ از محمد عم سوال کیند کہ سبب انتقال آل یعقوب عم از شام بمصر وقصہ یوسف عم چہ بودہ۔ یں سورہ نازل شد۔ ترجمہ: روایت میں آیا ہے کہ علماء یہود نے بعض اشراف عرب سے کہا کہ محمد عم سے سوال کرو کہ سبب انتقال آل یعقوب عم شام سے مصر کو اور قصہ یوسف عم کیا تھا۔ یہ سورت نازل ہوئی۔ تعجب نہیں جب یہ شہرت اس بات کی ہوئی کہ حضرت محمد ﷺ توریت اور انجیل کے مضامین بیان کرتے ہیں ہوئی ہوگئی تو بطریق امتحان ان کے علم اور واقفیت کے کسی یہود نے مشرکین عرب کی وساطت سے یہ سوال کیا ہو اور یہ دستور سب زمانوں اور ملکوں کا ہے مثلاً ہندوستان میں جب کسی درویش یا عالم یا سنیاسی وغیرہ کی کسی شہر میں شہرت ہوتی ہے تو بعض لوگ اعتقاد سے اس عالم وغیرہ کے پاس جاتے ہیں اور اس کی سنتے ہیں اور بعض واسطے امتحان کرنیکے جاتے ہیں اور مختلف باتیں اور مسئلے پوچھتے ہیں گو ظاہرا تعظیم سے پیش آتے ہیں لیکن اگر عالم کا جواب نسبت ایسی باتوں کے جو کہ علماء کو پہلے سے معلوم تھیں درست اور معقول بھی ہو تو وہ کوئی معجزہ یعنی دلیل وحی خدا ہرگز نہیں شمار کی جاتی ہے بلکہ تعریف یاد اور حاضر جوابی کی ہوتی ہے۔

یہود لوگ ایسی باتی قدیم سے کرتے آئے ہیں اکثروں کا ان سے خاصہ تھا کہ باطن میں کچھ اور ظاہر میں کچھ اور ان کا ارادہ یہ ہی ہوتا تھا کہ جو کوئی دعویٰ علم دینی وغیرہ کا کرے اس کو دق اور عاجز کریں پس جب حضرت محمد نے سورہ یوسف نوک زبان پڑھ دیا جیسے کہ یہود نے درخواست کی تھی تو یہ تعریف ان کے حافظ اور حاضر جوابی کی ہوئی اور نہ یہ کہ ان کو وحی خدا ہوئی اور یہ کہ قصہ ان کو پہلے سے ہرگز معلوم نہ تھا۔

مفسر بیضاوی فقط اپنی رائے کے موافق لکھتا ہے گو اور مقاموں میں اقرار کرتا ہے کہ حضرت محمد جبر اور لسیار دو نصارے پاس جو مکہ میں رہتے اور توریت اور انجیل پڑھا کرتے تھے جایا کرتے تھے اور قاضی بیضاوی اور ،اور مفسرین اور نصاریٰ اور یہود کا ذکر کرتے ہیں جن سے حضرت محمد کی ملاقات تھی اور ورقہ بن نوفل نے توریت اور انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا تھا اور خدیجہ بیوی اول وافضل حضرت محمد نے توریت اور انجیل کو پڑھا تھا چنانچہ تاریخ طبری ترجمہ فارسی بعلمی میں مذکور ہے اور علماء اہل اسلام مقر ہیں کہ قبل از دعویٰ نبوت حضرت محمد صاحب عقل سے جان گئے تھے کہ بت پرستی گناہ ہے اور متلاشی دین حق ابراہیمی کے تھے پس ظاہر ہے کہ حضرت محمد خدیجہ سے اور ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے کہ نصاریٰ تھا اور انصارے اور یہود سے انجیل اور توریت کی باتیں دریافت کرتے ہونگے کہ انہیں کتب مقدسہ میں ذکر دین حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ہے اور یہی بات لائق متلاشی دین حق کے ہے اور نہیں تو وہ منافق اور فاسق ہے اس کے دل میں شوق حقیقی خدا پرستی کا نہیں ہوا۔

سورہ ضحیٰ کی آیت 7 میں یوں لکھا ہے: وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى ترجمہ: یعنی پایا تجھ کو (یعنی محمد کو) گمراہ اور پھر راہ بتائی۔ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ اس ہدایت اور ضلال کا بیان وہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بالغ ہونے کے بعد کمال عقل اور دانائی کے سبب سے اس قدر معلوم ہوا کہ بتوں کی پوجا اور کفر اور جاہلیت کی رسمیں بے اصل اور پوچ ہیں تو حق دین کے کھوج اور تلاش کے درپے ہوئے اور بڑے بوڑھوں کی زبان سے سنا کہ ہمارا اصل دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے آنحضرت ﷺ کو یہ خیال بندھا اور یہ تدبیر سوجھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی طرف پورا رجوع ہوجاؤں اور اس کی عبادت بندگی کروں لیکن جب دین ابراہیمی نہ کسی کو یاد رہا تھا اور نہ کسی کتاب میں لکھا ہوا تھا اور نہ آنحضرت ﷺ کتاب پڑھ سکتے تھے بالضرور اس دین کے احکام کے کھوج تلاش کرنے میں بے قرار ہو کر تسبیح تہلیل تکبیر اعتکاف

جناب کا غسل حج کے مناسک ادا کرنے اور خلوت اور گوشا نشینی سے اور اسی نوع کے دوسرے امورات سے جس قدر معلوم ہوا اس قدر مشغول رہتے تھے اس وقت تک کہ اللہ نے اپنی وحی سے آپ کو پاک دین کے اصول پر مطلع فرمایا۔

بلاشبہ بت پرست عربوں میں سے کہ اولاد اسماعیل میں سے تھے دین ابراہیم بالکلیہ اٹھ گیا تھا اور اسکی جائے بت پرستی کعبہ قائم ہوئی تھی اور نہ کوئی کتاب عرب مشرکین میں اس دین خلیل اللہ کی موجود تھی لیکن اس دین کی باتیں اور حال حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد اسحاق اور یعقوب اور یوسف وغیرہ یعنی کل بنی اسرائیل کا توریت اور انجیل اور تفاسیر یہود اور نصاریٰ میں قدیم سے مفصل مذکور تھا۔ چنانچہ قرآن میں بھی یہی حالات پائے جاتے ہیں اور گو موافق رائے اہل اسلام کے تسلیم بھی کیا جاوے کہ حضرت محمد ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے پھر بھی جس طور سے انہوں نے بڑے بوڑھوں عرب مشرکین سے سنا اور دریافت کیا کہ اصلی دین ابراہیم کا کیا تھا اسی طور سے ضرور ہے کہ انہوں نے دین ابراہیم کا حال یہود اور نصاریٰ سے سنا اور تحقیق کیا ہو کیونکہ موافق قول شاہ عبدالعزیز صاحب کے حضرت محمد سن بلوغت سے دین ابراہیمی کی تحقیق کرنے میں بے قرار ہوگئے تھے یعنی نہایت شوق رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس تحقیقات میں صدق دل سے حضرت محمد ﷺ کم سے کم قریب پندرہ برس رہے ہونگے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سن بلوغت گرم ولایت عربستان میں پندرہ سال کی عمر سے زیادہ نہیں ہوسکتا جیسے کہ ہندوستان میں اور عرب میں عورت تو بہت ہی جلدی بالغ ہوتی ہے مثلاً حضرت عائشہ کی عمر 9 سال کی تھی کہ ان کی شادی حضرت محمد ﷺ سے ہوگئی۔

سوائے اس کے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت محمد نے دعویٰ نبوت کا چالیس سال کی عمر میں کیا پس دریافت ہوا کہ حضرت محمد ﷺ نے تلاش دین حق کی پچیس (25)سال کی یہ عرصہ بہت بڑا ہے فرض کرو کہ حضرت محمد ﷺ پچیس سال کی عمر میں جبکہ ان کی شادی خدیجہ سے ہوئی پردہ غفلت سے نکلے اور متلاشی دین حق کے ہوئے اس صورت میں بھی پندرہ سال باقی رہے اور صدق دل کے متلاشی کو گو وہ ان پڑھ ہو بلکہ اندھا یہ عرصہ پندرہ سال کا واسطے دریافت کرنے دین ابراہیمی کے یہود و نصاریٰ سے کافی اور وافی سے زیادہ تھا لیکن حضرت محمد ﷺ دم مرگ ہرگز نابینا نہیں ہوئے اور وہ بہت عاقل تھے اور بطور گماشتہ کے واسطے تجارت کے خدیجہ کی طرف سے ملک شام میں جہاں نصاریٰ اور یہود بکثرت تھے اکثر جاتے تھے اور متلاشی دین حق کے دل سے تھے پس عرصہ پندرہ سال میں یہود و نصاریٰ سے سن سنا کر دو جلدیں مثل قرآن کے حفظ کرسکتے تھے اور مکرر بیان کیا جاتا ہے کہ سوائے چند باتوں شرک کے جو کہ مشرکین عرب نے خلیل اللہ کی طرف منسوب کیں سب باقی حال دین ابراہیم کا اور ان کا اور انکی اولاد کا جو کہ قرآن میں مذکور ہے وہ توریت اور تفاسیر یہود اور انصار میں پایا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہود توریت کو چھپاتے تھے اور کسی کو بتاتے نہ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض نادان اور احمق یہود ایسے ہونگے لیکن انصار ہرگز ایسے نہ تھے اور ظاہر ہے کہ نصاریٰ توریت وانجیل دونوں کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں اور علاوہ اس کے احادیث محمدیہ سے تحقیق معلوم ہوتا ہے کہ یہود بھی توریت مسلمانوں کو مطالعہ کرنے کے لئے دیتے تھے مثلاً ایک حدیث مشکات میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے ایک نسخہ توریت کا سامنے حضرت محمد کے پڑھا پس ظاہر ہے کہ یہ نسخہ توریت عربی ترجمہ تھا کہ عمر اس کو پڑھ سکے اور اس کو یہودیوں سے لیا حدیث مذکور مشکات کی کتاب الایمان میں یوں ہے: یعنی روایت ہے جابر سے کہ تحقیق حضرت عمر بن خطاب لائے پاس رسول ﷺ کے نسخہ توریت کا پس کہا اے رسول خدا یہ نسخہ توریت کا پس چپ رہے حضرت پس شروع کیا حضرت عمر نے پڑھنا الخ۔ بعد اسکے لکھا ہے کہ حضرت محمد عمر سے اس بات سے ناراض ہوئے اور کہا کہ اگر موسیٰ تمہارے واسطے ظاہر ہوتے تو تم اس کی پیروی کرتے اور اگر موسیٰ زندہ ہوتا اور میری نبوت دریافت کرتا تو وہ میری پیروی کرتا غرض یہ کہ حضرت محمد کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ عمر وغیرہ توریت کا مطالعہ کرکے یہودی ہوجاویں اور یہ حضرت محمد ﷺ نے نہیں کہا کہ یہ نسخہ توریت محرف ہے جیسے کی فی الحال کے ناواقف مسلمان ہند کے کہتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد کے زمانہ میں توریت عربی زبان میں مل سکتی تھی۔ پس توریت کے حالات کو یہودی لوگ چھپاتے نہ تھے نصاریٰ کا تو کیا ذکر ہے وہ کتب مقدسہ کو مشتہر کرتے ہیں اور حالات توریت کے زبانی بیان کرنا بہت سہل ہے پس حضرت محمد نے کہ متلاشی دین حق کے تھے حالات توریت وانجیل کے یہود نصاریٰ سے بلاشبہ سنے اور دریافت کرلئے ہونگے۔

بہت سے لوگ اہل اسلام اورہنود میں ایسے ہیں کہ وہ ان پڑھ ہیں پھر بھی بباعث شوق وصحبت کے ان کو قرآن وشاستر سے بڑی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث مشکات میں لکھاہے کہ یہودیوں نے عربی ترجمہ توریت کا مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ علاوہ ازیں پہلے بیان ہوچکاہے کہ ورقہ بن نوفل چچازاد بھائی خدیجہ بیوی اول حضرت محمد کا نصار سے تھا اس نے توریت وانجیل کا ترجمہ عربی زبان میں کیا تھا۔ اور خود حضرت خدیجہ بھی توریت وانجیل پڑھی ہوئی تھیں اور حضرت محمد کی عمر جبکہ ان کی شادی خدیجہ سے ہوئی 25 برس کی تھی اور دعویٰ نبوت انہوں چالیس (40) برس کی عمر میں کیا اور ورقہ بن نوفل بھی کہ نصاریٰ اور چچازاد بھائی خدیجہ کا تھا اس وقت تک جیتارہا اور نصاریٰ اور یہود حضرت محمد سے ملاقات رکھتے تھے۔

کتاب مشارق الانوار میں کہ مجموعہ معتبر حدیثوں بخاری ومسلم کا ہے ایک حدیث نمبر 18 یہ ہے : عن عبداللہ بن عمر وبلغوا عنی ولو اٰیتہ وحد ثواعن بنی اسرائیل ولا حرج بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت محمد نے فرمایا کہ پہنچاؤلوگوں کو میری طرف سے اگرچہ ایک ہی آیت ہو اور بنی اسرائیل سی باتیں سن کر نقل کرو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ عادل ہے اور زبردستی کسی بات میں ایمان نہیں چاہتا ہے مگر ساتھ وجہ قوی کے۔ وہ ایسی بات ہرگز معجزہ نہیں ٹھہراتا ہے جو ہر آدمی کرسکتا ہے۔ اگرچاہے۔

تسلیم کیا کہ حضرت محمد ﷺ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا پھر بھی وہ سن سکتے تھے اور ان کو ہر طرح کا قابو واسطے حصول علم توریت وانجیل کے حاصل تھا اور سوائے اس کے کہ ان کی دلی آرزو تھی کہ اس قبیل کا علم حاصل کریں کیونکہ وہ متلاشی دین حق کے تھے اور دین حق ابراہیمی وغیرہ کا کہیں اور پتا نہیں ہے الاتوریت وانجیل میں اور سورہ بقر میں ایک جگہ لکھاہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کوساری قوموں پر افضل کیا اور تفسیر عزیزی میں اس بات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور فضیلت ان کی باعتبار علم دین کے بیان کی ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ اور ان کے بعد جو انبیاء ہوئے اور ہمارے سید کریم یسوع المسیح اور آپ کے رسول حوارئین مقدسین سب نبی اسرائیل سے تھے۔

غرضیکہ اگرچہ حضرت محمد کو کسی طرح یقین ہوگیا کہ میں وحی سے بولتا ہو(سورہ بقرہ آیت 96)اور یہ یقین پہلے پہلے بی بی خدیجہ اور ورقہ عیسائی کے کہنے سے آیا تھا۔ جنہوں نے غار حرا والے جبرائیل کی کیفیت سمجھا کے اس کو یقین دلایا تھا کہ تو اپنی قوم کا نبی ہوگا وغیرہ مگر ثابت ہوا کہ قرآن کی تالیف کے لئے وحی کی کچھ ضرورت نہ تھی اس لئے کہ خوب ظاہر ہے کہ اس کے بیان کہاں کہاں سے لئے گئے ہیں اور پھر اگرچہ حضرت محمد صاحب موقع واردات پر موجود نہ تھے مگر موقع تشہیر وترویج ان واقعات پر موجود تھے۔ اور اگر ایک موقع احتمال وحی کے لئے سمجھا جاوے تو دوسرے موقعے دفیعہ احتمال کے لئے کافی ہیں۔

دفعہ (4)اسی سورہ یوسف کی آیت 103 میں ذکر ہے ذَلِكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُواْ أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۔ ترجمہ: یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے (یعنی اے محمد تو پاس بھائیوں یوسف کے نہ تھا جبکہ وہ یوسف کو کوئیں میں ڈالنے کا ارادہ کرتے تھے اور فریب کرتے تھے)۔

اس قول قرآنی کے معنی ظاہری یعنی یہ قول کہ حضرت محمد ﷺ قصہ یوسف سے ہرگز واقف نہیں ہوسکتے تھے الا اس صورت میں کہ وہ موقع واردات پر یعنی یوسف اور اس کے بھائیوں کے ساتھ ہوتے ایک ایسی بات ہے کہ کوئی کہے کہ حال جنگ دارا وسکندر کا مجھ کو وحی سے معلوم ہوا کس واسطے کہ میں اس جنگ میں موجود نہ تھا ایسی بات پر اعتبار کرنا محال ہے۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ معنی حقیقی اس آیت قرآن کے یہ ہوسکتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ امی تھے یعنی اہل کتاب یہودونصاریٰ میں سے نہ تھے بلکہ مشرکین عرب سے تھے اور سرانجام کاری وتعالیٰ سے یہ بات وقوع میں آئی کہ بہ سبب اثر صحبت یہودونصاریٰ کے حضرت محمد ﷺ نسبت بزرگی اللہ تعالیٰ کے غیر تمند ہوئے اور اپنی قوم کی بت پرستی کو گناہ عظیم سمجھنے لگے اور اہل کتاب سے حالات توریت وانجیل کے سننے اور دریافت کرنے لگے اور ان کتب مقدسہ پر ایمان لائے پس تقریر اہل کتاب کی جو حضرت محمد ﷺ کو تعلیم کرتے تھے یہ ہے کہ اے محمد تو امیوں عرب سے یعنی تو اہل کتاب

میں نہیں ہے اور نہ تو یوسف اور اس کے بھائیوں کے ساتھ تھا۔ پس بغیر ہم اہل کتاب کی مدد کے تو کیونکر قصہ یوسف کا معلوم کرسکتا تھا یہ فقط ہم نے ہی تجھ پروحی یعنی ظاہر کیا ہے۔

دفعہ(5)سورہ قصص کی آیت 44 میں مذکور ہے:وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَى مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ترجمہ:یعنی اور تو (اے محمد) نہ تھا غرب کی طرف (کوہ طور سے جہاں موسیٰ پر توریت نازل ہوئی)جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو حکم اور نہ تھا تو دیکھتا۔ ظاہری معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ تو یہ قصہ موسیٰ بیان کرتاہے تو یہ واقفیت تجھ کو وحی اللہ سے ہوئی کیونکہ جس وقت توریت جس میں یہ قصہ درج ہے حضرت موسیٰ پر بمقام کوہ طور نازل ہوئی اس وقت تو اے محمد وہاں موجود نہ تھا اور مشاہدہ نہ کرتا تھا اور اسی ظاہری معنی کے موافق قاضی بیضاوی اس طرح تفسیر کرتا ہے والمراد الدلالتہ علی ان اخبار عن ذالک من قبیل الاخبار عن الغیبات التی الاتعرف الا بالوحی یعنی اور مراد دلیل ہے اس پر کہ اخبار اس کے مقدمہ میں (یعنی قصہ موسیٰ میں) قبیل سے ایسے اخبار غیب کے ہیں جو کہ نہیں جانے جاسکتے الاوحی سے الخ یہی بیان صاحب تفسیر حسینی اور معالم کرتے ہیں۔

پھر اسی سورہ قصص کی آیت 45میں لکھا ہے وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ترجمہ:یعنی اور لیکن اوٹھائیں ہم نے کتنی سنگتیں پھر لمبی گزاری ان پر مدت اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں ان کو سناتا تھا ہماری آیتیں پر ہم رہے ہیں رسول بھیجتے۔اس کی توضیح تفسیر حسینی میں یہ لکھی ہے یعنی مدتہائے مدید اہل ایں قرنہا گذشت وخبر ہازاصوب صواب منحرف شدہ علوم روی باندارس نہادد پس ماترابرائے تجدید ایں اخبار فرستادویم تاعقلادا نند کہ اخبار مثل ایں اخبار خبر بوحی آفریدگار نتو اند بود۔ یعنی بڑی مدتیں ان گروہوں (یعنی اہل مدیان) پر گذریں اور خبر درستی اور راستی سے ہٹ گئی اور علم بحالت مٹ جانیکے ہوئے ہم نے(اللہ نے) واسطے نیا یعنی تازہ کرنے ان اخبار کے تجھ کو بھیجا تا کہ عقلا جانیں کہ اخبار مثل اس کے (یعنی مثل قصہ موسیٰ کے) سوائے وحی پروردگار کے نہیں ہوسکتے تھے۔ انتہی۔یہی توضیح بیضاوی نے کی ہے واضح ہو کہ مدیان ایک مقام ملک عرب میں ہے اور اسی کے قریب کوہ طور ہے اور توریت کی کتاب خروج باب دوئم آیت 14 اور آئندہ کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بخوف فرعون حضرت موسیٰ اس ملک مدیان میں گئے تھے اور وہاں کے سردار نے اپنی ایک بیٹی کی شادی ان سے کرادی اور یہ کہ اہل مدیان بھی اولاد میں سے حضرت ابراہیم کے تھے اور مدیان بیٹا خلیل اللہ کا بیوی قطورہ سے تھا اور یہ توریت سے ظاہر ہے کہ اہل مدیان سخت بت پرست اور جاہل ہوگئے تھے اور بنی اسرائیل سے ان کی سخت دشمنی تھی جیسے کہ کتاب شمار گنتی سی ویکم آیات اول ودوئم وغیرہ سے ظاہر ہے غرضیکہ آیت قرآنی اور مفسرین مذکورہ بالا کی یہ مراد ہے کہ اہل مدیان یعنی قوم عرب میں علم توریت کا محو ہوگیا تھا پس حضرت محمد کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا کہ اس علم توریت سے قوم عرب کو پھر یاددلاویں نسبت اس قول آیت قرآنی مذکورہ بالا کے کہ تو نہ رہتا تھا مدیان والوں الخ صاحب تفسیر حسینی یہ لکھتا ہے ۔ و نبودی تو مقیم درمیان اہل مدین کی پیوستہ بجہت تعلیم بخوانی آیت ہامارا اور قصہ موسیٰ عم وشیعب عم چنانکہ شاگرد ان خوانند یعنی درمدین نبودی تا ایں قصہ تعلیم گیری مائیم فرستندہ وخبر کنندہ ازیں قصا۔ یعنی اور نہ تھا تو (اے محمد) مقیم درمیان اہل مدیان کے کہ بوجہ تعلیم پانے کے متصل ہو کر ہماری (اللہ کی) آیتوں قصہ موسیٰ اور شعیب (خسر موسیٰ) کا پڑھے جیسے کہ شاگرد استاد کے سامنے پڑھتے ہیں یعنی ان میں تو نہ تھا کہ قصہ کی تعلیم پاوے اور ہم ہیں ارسال کرنے والے تیرے اور خبر دینے والے تجھ کو ان قصوں سے انتہی۔یہی تفاسیر بیضاوی میں لکھا ہے ۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ تقریر آیت قرآنی مذکورہ بالا کی یہ ہے کہ زمانہ موسیٰ میں حضرت محمد اہل مدیان میں موجود نہیں تھے کہ تعلیم قصہ طور اور موسیٰ اور شعیب کی حاصل کرتے اور گو مدیان کے لوگ ایک قوم عرب تھی لیکن زمانہ حضرت محمد میں وہ اس قصہ کو بالکلیہ بھول گئے تھے پس محال تھا کہ حضرت محمد ﷺ کسی قوم عربوں مشرکین سے دریافت کرتے ۔ پس ثابت ہوا کہ خود اللہ نے یہ قصہ حضرت محمد ﷺ کو وحی کیا تا کہ وہ جاہل قوم عرب کو بتاویں اور ہدایت کریں۔

لیکن یہ دلیل تامہ نہیں اس میں ایک شق عظیم مذکور نہیں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ اہل مدیان پر کیا موقوف ہے بلکہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ بھی کہ مختلف مقاموں عرب مثل مکہ ومدینہ وغیرہ میں رہتے تھے اسی قصہ موسیٰ وشعیب کو بالکلیہ بھول گئے تھے پس محال تھا کہ حضرت محمد ﷺ ان سے سن سنا کر تعلیم پاتے لیکن قرآن میں ایسا دعویٰ کسی جگہ نہیں کیا بلکہ اس کے خلاف بیان کیا ہے

یعنی اہل کتاب ان سب قصوں موسیٰ وغیرہ کو جانتے تھے اور ان کو یہ بذریعہ توریت اور انجیل اور تفاسیر کے معلوم تھے اور ان میں مشتہر تھے اور قرآن مصدق اور مطابق توریت وانجیل کے تھی اور بفرض محال اگر یہ قرآن میں مذکور بھی نہیں ہوتا تو بھی ہر آدمی دریافت کرسکتا ہے کہ سب قصے مذکورہ قرآن مثل قصہ آدم ونوح وموسیٰ وعیسیٰ ومریم وغیرہ توریت وانجیل وکتب واحادیث وتفاسیر یہود ونصاریٰ میں مذکور ہیں اور ان لوگوں میں قدیم سے مشتہر ہیں پس کہا جاسکتا ہے کہ تسلیم کیا کہ حضرت محمد ﷺ زمانہ موسیٰ وشعیب میں درمیان اہل مدیان کے نہیں رہتے تھے اور قوم عرب اہل مدیان قدیم کی اولاد زمانہ حضرت محمد ﷺ میں بہ سبب گذرنے مدت مدید کے اس قصہ موسیٰ اور شعیب وغیرہ کو بالکلیہ بھول گئے تھے لیکن اہل کتاب یہود ونصاریٰ مکہ ومدینہ ویمن وشام وغیرہ کے اس قصہ سے حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں بخوبی واقف تھے۔ پس حضرت محمد نے یہود ونصاریٰ سے سن سنا کر علم اس قصہ کامعلوم کیا چونکہ قرآن وحدیث میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ یہود ونصاریٰ بھی قصوں موسیٰ وغیرہ کو کہ قرآن میں مذکور ہیں بالکلیہ بھول گئے تھے بلکہ اس کے خلاف لکھا ہے یعنی مشرکین عرب سے کہا گیا ہے کہ اگر تم مضامین قرآن پر شک کرتے ہو تو اہل کتاب سے تصدیق کرلو(سورہ یونس آیت 94)۔

تو مراد آیت قرآنی کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت محمد نے قصہ موسیٰ وغیرہ عربوں مشرکین سے نہیں سیکھا اور نہ دل سے بنالیا بلکہ کلام اللہ سے یعنی توریت وانجیل وغیرہ سے بوساطت یہود ونصاریٰ کے معلوم کیا اور یقیناً جس نے کوئی مضمون کتاب اللہ سے سیکھا اس نے اللہ سے تعلیم پائی گوو سائیل اس تعلیم کے علماء وغیرہ ہوں اور کتاب اللہ آپ پڑھی ہو یا کسی عالم سے سنی ہو۔

مذکورہ بالا نتائج آئندہ نکلتے ہیں اول یہ کہ قرآن کو جو کلام اللہ اور کتاب اللہ وحی اللہ کہا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر وہ صحیح خلاصہ اور منشائے کتب سماوی توریت وانجیل وتفاسیر واحادیث وغیرہ یہود اور نصاریٰ کا ہو تو اس پر بھی قرآن کو کلام اللہ نہیں کہہ سکتے ۔ قرآن سے بہتر طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کی کتب الہیات اور تواریخ میں کتب الہامیہ کے بیان اقتباس کئے گئے ہیں۔ اگر کوئی ان کو اس وجہ سے کلام اللہ نہیں کہتا اور نہ کہنا چاہیے ۔ مشرکیں عرب کو نصیحت کرتے وقت حضرت محمد ﷺ کو صرف یہ کہنا چاہیے تھا کہ یہ لکھا ہوا ہے اگلی کتابوں میں چنانچہ چند مرتبہ ایسا کہا بھی تھا دیکھو(سورہ شعرا آیت 196)۔

دوئم یہ اکثر اجزاء قرآن اور خصوصاً قصص انبیاء کی مصنف اور حضرت محمد ﷺ کو بتانے والے کوئی اشخاص اہل کتاب یہود ونصاریٰ میں سے تھے پس وہ حکایت کلام اللہ کی توریت وانجیل وتفاسیر وغیرہ سے کرتے تھے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ اور اس کی طرف سے فرشتہ جبرئیل متکلم ہوتا تو وہ ہرگز نہیں کہتا کہ اے محمد تو مریم کے قرابتیوں اور نوح اور یوسف کے بھائیوں اور کوہ طور پر موسیٰ کے ساتھ نہ تھا کہ تو قصے مریم اور نوح اور یوسف اور موسیٰ کے جانتا یا یہ کہ زمانہ موسیٰ میں تو اہل مدیان میں نہ رہتا تھا کہ تو قصہ موسیٰ اور شعیب سے واقف ہوتا کیونکہ یہ دلیل صریح غلط ہے کہ کس واسطے کہ کیا ضرور ہے کہ حضرت محمد کوہ طور پر موسیٰ کے ساتھ ہوتے تاکہ قصہ موسیٰ ان کو دریافت ہوتا حضرت محمد ﷺ تو یہود اور نصاریٰ مکہ ومدینہ وشام سے کہ توریت وانجیل رکھتے تھے اس قبیل کے قصے بآسانی معلوم کرسکتے تھے لیکن ان ناواقف مشرکین عرب کو یہ کہنا کہ دیکھو میں تو موقعہ واردات پر موجود نہ تھا سو اس سے تم یقین کرو کہ فرشتہ مجھے یہ باتیں بتلاگیا ہے ان ناواقف لوگوں کو صرف دھوکا دینا تھا یہ دقت پیش کرکے حضرت محمد ﷺ نے ان موقعوں اور سہولتوں پر پردہ ڈالنا چاہا جن میں پڑکر آپ نے علم حاصل کیا تھا اور پھر اس فضول دقت سے کیا فائدہ تھا جبکہ یہ بات ظاہر تھی کہ اگرچہ حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں قوم مشرکین عرب اہل مدیان بہ سبب گذرنے مدت مدید کے قصہ موسیٰ اور شعیب کو بالکلیہ بھول گئے تھے چنانچہ مدت پہلے زمانہ حضرت محمد ﷺ کے اہل مدیان سب بت پرست تھے تاہم قرآن میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ اہل کتاب یہود اور نصاریٰ ان قصوں موسیٰ وغیرہ کو بالکلیہ بھول گئے تھے اور توریت وانجیل صفحہ زمین پر سے اٹھ گئی تھیں یا یہ کہ یہود ونصارے زمانہ حضرت محمد ﷺ میں زمین پر سے یا ملک عرب اور شام سے بالکلیہ نیست ونابود ہوگئے تھے یا یہ کہ حضرت محمد ﷺ کسی یہود ونصاریٰ سے قبل دعویٰ نبوت کے یا شروع دعویٰ نبوت میں نہیں ملے تھے اور توریت وانجیل کی نہ کوئی بات سنی اور نہ دریافت کی تھی۔ یہاں سے تحقیق ہوا کہ کوئی اشخاص اہل کتاب یہود اور نصاریٰ میں سے

حضرت محمد کو قصے انبیاء وغیرہ توریت وانجیل تفاسیر وغیرہ سے بتاتے تھے اور تعلیم کرتے تھے حضرت محمد کا عذر دیانت سے بعید تھا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ تسلیم کیا کہ سوائے اہل کتاب کے حضرت محمد ﷺ کو کوئی وسیلہ معلوم کرنے قصوں انبیاء اسرائیل سلف کا نہیں تھا لیکن وحی خدا سے یہ قصے دریافت ہوسکتے تھے۔

اس کا جواب دفعات گذشتہ میں ہوچکا ہے اور پھر خلاصہ اس جواب کا ہم چند وجوہات آئندہ سے بیان کرتے ہیں۔

اول یہ کہ ہزاروں اہل کتاب یہود اور نصاریٰ مکہ ومدینہ ویمن وشام میں رہتے تھے اور وہ لوگ قصوں انبیاء اسرائیل سے بذریعہ توریت وانجیل وتفاسیر وغیرہ کے بخوبی واقف تھے اور لاکھوں عوام اہل کتاب میں سننے وعظ تدریس سے یہ قصے مشتہر تھے اور حضرت محمد ﷺ مکہ ومدینہ میں رہتے تھے اور قبل ازدعویٰ نبوت بارہا ملک شام کو اپنی بیوی خدیجہ کی طرف سے واسطے تجارت کے جایا کرتے تھے اور توریت وانجیل قبل ازدعویٰ نبوت حضرت محمد ﷺ کے عربی زبان میں ترجمہ ہوگئی تھیں مثلاً ورقہ بن نوفل نے کہ ایک علماء نصاریٰ میں سے تھا اور مکہ میں رہتا تھا ان کتب مقدسہ کو عربی میں ترجمہ کیا تھا اور یہ عیسائی ورقہ بن نوفل ایک رشتہ دار حضرت محمد ﷺ کا تھا یعنی ان کی بیوی اول خدیجہ کا چچا زاد بھائی تھا اور سوائے اس کے حضرت محمد ﷺ اور یہود ونصاریٰ سے ملاقات رکھتے تھے اور ان کے غلام نصاریٰ میں سے تھے پس یہ کہنا کہ حضرت محمد ﷺ کو قصے یوسف اور موسیٰ وغیرہ وحی خدا سے دریافت ہوئے اور نہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ سے بالکلیہ خلاف قیاس عقلی کے معلوم ہوتا ہے اور کوئی ذیعقل آدمی اس قول پر اعتبار نہیں کرسکتا ہے گو قائل اس قول کا معجزات صریح بھی دکھادے کیونکہ اللہ تعالیٰ وحی سے ایسی باتیں بتاتا ہے جو کسی آدمی کو معلوم نہیں ہوسکتی ہیں مثلاً طریقہ نجات گنہگاروں کے جو توبہ کریں اور طالب اس نجات کے ہوں اور وعدہ وعید جزاوسزا کے اور حالات جنت آسمانی اور حیات ابدی کے اور اخبار زمانوں آئندہ کے اور نکتے اور دقائق اپنے لاثانی وبیمثل وجودیت اور وحدت اور کمالات کے یہ سب باتیں عقل اور علم انسانی سے بعید ہیں اور نہ اخبار ماضی اور قصے گذشتہ اور وہ بھی ایسے کہ خلق اللہ میں مشتہر ہوں اور اگرچہ حضرت محمد ﷺ نے قرآن میں اس قسم کی باتیں بھی لکھی ہیں مگر وہ بھی اگلی الہامی کتابوں اور یہود کی روائتوں میں موجود تھیں۔ پس بموجب حالات مذکورہ بالا اور اندرونہ قرآن کے ان کے بیان کرنیکے لئے کشف وحی کیا ضرورت تھی؟ قرآن کچھ نہیں لایا جو آگے نہ تھا۔ جو اگلی کتابوں میں سے نہیں ہے وہ یہودیوں کی روائتوں میں سے ہے اور جو کچھ ان میں سے نہیں ہے وہ اہل عرب کے دستوروں میں سے ہے لہذا کسی حصہ قرآن کے لئے وحی کی ضرورت نہیں رہتی ۔ معجزہ وحی ایک خیالی بناوٹ ہے۔

پھر اگر حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں کل یہود ونصاریٰ معہ اپنی کتب توریت اور انجیل اور تفاسیر اور احادیث وغیرہ کے صفحہ زمین سے نیست ونابود ہوتے اور سب لوگ مکہ ومدینہ اور شام اور روم وغیرہ کے بت پرست اور جاہل محض مثل مشرکین کے ہوتے تو البتہ یہ دعویٰ کہ حضرت محمد ﷺ کو قصے یوسف اور موسیٰ وغیرہ فقط وحی سے معلوم ہوئے قابل التفات ہوتا لیکن بزنامہ حضرت محمد ﷺ حال نفس الامر میں اس کے خلاف تھا۔

دویم یہ کہ سورہ ضحیٰ اور تفسیر عزیزی مذکورہ دفعہ (3) سے ظاہر ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ کی عمرہ پندرہ یا بیس یا پچیس سال کی ہوئی اور وہ بالغ ہوئے وہ بت پرستی اپنی قوم سے ناراض ہوئے اور اس کو لغو جاننے لگے اور متلاشی دین حق ابراہیمی کے ہوئے اور حال اس دین حق کا مشرکین عرب میں سے بالکلیہ مٹ گیا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے دعویٰ نبوت کا چالیس سال کی عمر میں کیا تھا اسی واسطے اس عرصہ دراز پچیس یا بیس یا پندرہ برس میں حضرت محمد ﷺ متلاشی دین حق کے رہے پس باوصف ان سب باتوں کے یہ فرض کرنا کہ حضرت محمد ﷺ نے کسی یہود ونصاریٰ سے حالات ابراہیم اور ان کی اولاد اسحاق اور یعقوب اور یوسف اور موسیٰ اور ،اور انبیاء اسرائیل کا دریافت نہ کیا تھا بلکہ مثل ایک متعصب بت پرست کے اس ساری مدت میں کسی اہل کتاب سے ملاقات نہ کی تھی اور اگر ملاقات کی بھی ہو تو کوئی ذکر دینی نہ کیا تھا اور اگر کسی نے اہل کتاب سے ان کے سامنے ذکر حضرت ابراہیم اور ،اور انبیاء اسرائیل کیا بھی ہو تو انہوں نے اپنے کان بند کرلئے تھے ایک فرض باطل ہے کہ بالکلیہ عقل اور فہم کے خلاف ہے اس پر اہل انصاف غور فرماویں۔

سوئم یہ کہ قرآن کے کئی مقامات میں کہ دفعات گذشتہ میں منقول ہوئے یہ لکھاہے کہ حضرت محمد زمانہ اور موقع واردات قصوں موسیٰ اور ،اور انبیاء نبی اسرائیل پر موجود نہ تھے تاکہ وہ قصوں کو دریافت کرتے اور مشرکین عرب ان قصوں سے جاہل تھے اور اہل مدیان قصہ موسیٰ وغیرہ بہ سبب گذرنے مدت دراز کے بھول گئے تھے پس ان قولوں قرآنی سے تحقیق ثابت ہوتا ہے کہ قایل یعنی کہنے والا ان قولوں کا بڑی کوشش سے ان سب صورتوں کی نفی کرتا ہے جن میں کہ حضرت محمد ﷺ بلامدد اس کہنے والے کے یہ قصے دریافت کرلیتے یا کرسکتے تھے۔ لیکن ایک نہائت ظاہر اور آسان صورت دریافت کرنے قصوں انبیاء سلف اسرائیل کی یہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے سنتے اور دریافت کرتے مگر اس صورت ظاہر اور مشہور کے نفی کرنے کی طرف کہنے والا قولوں قرآنی مذکورہ کا ذرا اشارہ بھی نہیں کرتا ہے یعنی یہ نہیں کہتا ہے کہ کل اہل کتاب معہ اپنی کتب مقدسہ توریت وانجیل وغیرہ کے صفحہ زمین سے نیست ونابود ہوگئے تھے بلکہ خلاف اس کے قرآن میں جابجا لکھاہے کہ مکہ ومدینہ وشام وروم وغیرہ میں یہود و نصاریٰ بکثرت رہتے تھے اور ان پاس توریت وانجیل وغیرہ موجود تھیں اور وہ قصے یوسف اور موسیٰ وغیرہ جانتے تھے پس یہاں سے ظاہر وعیان ہے کہ خود قایل قولوں قرآنی مذکورہ کا جو کہ قصوں انبیاء سلف اسرائیل کو حضرت محمد ﷺ سے بیان کرتا ہے اور حکایت کلام الہیٰ توریت وانجیل کی کرتا ہے اور خدا کی طرف سے بولتا ہے۔

ایک شخص اہل کتاب میں سے تھا کیونکہ وہ اگلی کتابوں اور اہل کتاب کی موجودگی سے اشارتاً بھی انکار نہیں کرتا۔ اور اگر ایسا کرتا تو امر ظاہر کا انکار کرتا کیونکہ یہود و نصاریٰ مکہ ومدینہ اور شام وغیرہ میں بکثرت رہتے تھے پس وہ باقی صورتوں کی نفی کرتا ہے یعنی کہتا ہے کہ عرب مشرکین جاہل تھے اور حضرت محمد ﷺ زمانہ اور موقع واردات قصوں انبیاء اسرائیل پر موجود نہ تھے کہ ان قصوں کو معلوم کرتے اور اس طریق سے گویا حضرت محمد کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر کوئی فرد یا افراد اہل کتاب سے کہ ایک ان میں سے میں ہوں ان قصوں کو نہ بتاتا تو محال تھا کہ حضرت محمد ان سے واقف ہوتے لہذا موقع واردات پر موجود نہ ہونا معجزہ کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

فصل دوئم

خاص تذکرہ ان لوگوں کا جن سے حضرت محمد ﷺ نے تعلیم پائی اور اجزاء قرآن مرتب ہوئے

پہلی فصل میں حضرت محمد ﷺ کے زمانہ کے عام حالات بیان کئے گئے اور ثابت کیا گیا کہ وہ حالات معجزہ وحی کے مانع تھے۔ اب دوسری فصل میں خاص طور سے حضرت محمد ﷺ کا اہل کتاب سے تعلیم پانا اور قرآن تیار کرنا ثابت کیا گیا ہے۔ اس سے ناظرین پر خوب ظاہر ہوگا کہ قرآن کا اصل بانی کون تھا۔ اور مشرکینِ عرب کے اعتراضوں اور حضرت محمد ﷺ کے جوابوں ہی سے اصلی مصنف ثابت ہوگا۔ وہ اعتراض اور جواب قرآن میں موجود ہیں اور ان کو اس فصل میں پیش کیا گیا ہے۔

یقولون انما یعلمہ بشر لسان الذینی یلحدون الیہ اعجمی وھدنا لسان عربی مبین ترجمہ: اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو (یعنی محمد) تو سکھاتا ہے آدمی جس پر تعریض کرتے ہیں اس کی زبان ہے اوپری (یعنی غیر عربی سے) اور یہ (قرآن) زبان عربی ہے صاف۔

اب دریافت کرنا چاہیے کہ وہ کونسا آدمی ہے کہ جس کی طرف مشرکین مکہ گمان لے گئے کہ وہ حضرت محمد کو تعلیم کرتا تھا اس مقدمہ میں مفسر بیضاوی یہ لکھتا ہے۔ یعنون جبر الرومی غلام عامر بن الحضرمی وقیل جبرا و یسارا کان یصنان السیوف ممکتہ ویقرآن التوریۃ والانجیل وکان الرسول علیما و سمیع مایقرانہ دقیل عالیشا غلام حولطیب بن عبد العزی قد اسلم وکان صاحب کتب وقیل سلمان الفارسی ترجمہ: مراد رکھتے تھے جبر و رومی غلام عامر بن حضری کا اور کہا گیا ہے کہ جبر اور لیسار کہ تلوار بنانے والے مکہ میں تھے اور پڑھتے تھے توریت وانجیل اور رسول (یعنی حضرت محمد ﷺ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور سنا کرتے تھے جو وہ پڑھا کرتے تھے اور کہا گیا ہے کہ عالیش غلام حویطب بن عبد الغریٰ کا کہ تحقیق مسلمان ہوا اور صاحب کتاب تھا اور کہا گیا ہے کہ سلمان فارسی تھا۔

واضح ہو کہ جتنے لوگوں کے نام یہاں بیان ہوئے وہ سب عیسائی تھے اور توریت وانجیل کو مطالعہ کرتے تھے اور یہ بھی واضح ہو کہ عربستان میں قدیم سے بردہ فروشی ہوتی آئی ہے اور قوم بدہ یعنی جنگلی عربوں کا دستور تھا کہ مردوں اور عورتوں اور بچوں مسافرین کو لوٹتے تھے اور ان کو بطور غلاموں کے فروخت کرتے تھے پس نصاریٰ جو کہ سرحد شام وغیرہ میں رہتے تھے اور رومی کہے گئے تھے وہ لوگ ہیں جو بصفت غلام تفسیر بیضاوی مذکورہ بالامیں بیان ہوئے اور تفسیروں مثل معالم اور حسینی وغیرہ میں اسی قلیل سے لکھاہے اور کئی نام اہل کتاب کے بیضاوی سے زیادہ بیان کئے ہیں اب غور کرنا چاہیے کہ آیت قرآنی بالامیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت محمدﷺ کسی اہل کتاب سے توریت وانجیل کی باتیں نہیں سنتے تھے اور نہ دریافت کرتے تھے اور نہ یہ بیان ہے کہ کوئی شخص اہل کتاب سے ان کو عربی عبارت قرآن کی نہیں بتاتا تھا کہ بلکہ فقط یہ جواب مشرکین اور مخالفین عرب کو دیا ہے کہ جس شخص کی طرف وہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت محمدﷺ کو قرآن سکھاتا ہے وہ اہل عرب سے نہیں ہے کہ صاف عربی مثل قرآن کی عبارت کے بولتا پس ظاہر ہے کہ ان لوگوں یہود ونصاریٰ کی اس آیت میں معلم ہونے سے حضرت محمدﷺ کے لئے نفسی نہیں ہے جو کہ اہل عرب سے تھے یعنی جن کا وطن عرب تھا بلکہ فقط ان اہل کتاب کی نفی ہے جو کہ نووارد غیر ملکوں روم وغیرہ سے تھے اور کسی وجہ سے عرب میں آبسے تھے اور یہ نفی بھی نسبت عبارت قرآن کے ہے اور نہ نسبت مضامین قرآن کے نووارد اس واسطے بیان کیا گیا کہ جو غیر ولایت کا آدمی بچپن سے یا مدت مدید سے بحالت غلامی وغیرہ کے عربستان میں رہتا ہوگا اس کو عربی بولنا مثل عربوں کے بلاشبہ آگیا ہوگا جیسے کہ ہندوستان میں دیکھا جاتا ہے کہ غیر ولایت کے آدمی جو بچپن سے یا مدت مدید سے کسی شہر میں مثل دہلی اور لکھنو وغیرہ کے رہے ہیں اور وہاں کے لوگوں سے ملے جلے رہے ہیں وہ ہندوستانی زبان مثل اہل ہند کی بولتے ہیں۔

یہاں سے تحقیق ہوا کہ جس شخص کی طرف مشرکین ومخالفین مکہ گمان کرتے تھے کہ وہ حضرت محمدﷺ کو تعلیم کرتا تھا وہ شخص کوئی اہل کتاب غیر ولایت سے عرب میں نووارد تھا اور اس واسطے زبان عربی مثل عبارت قرآن کے نہیں بولتا تھا اور قول مشرکین مخالفین کا یہ نہیں تھا کہ وہ شخص فقط مضامین قرآن میں بتاتا تھا بلکہ یہ تھا کہ وہ قرآن کی عبارت تیار کرکے حضرت محمد کو سکھاتا تھا۔ یہاں سے امور آئندہ متحقق ہوتے ہیں۔

اول۔ یہ کہ وہ شخص جس کی طرف مشرکین مخالفین مکہ گمان کرتے تھے کہ وہ حضرت محمد کو تعلیم کرتا تھا وہ شخص حضرت محمدﷺ سے ملاقات رکھتا تھا لیکن وہ نووارد کسی غیر ولایت سے تھا اور زبان عربی مثل قرآن کی عبارت کے نہیں بولتا تھا کہ عبارت قرآن کی حضرت محمدﷺ کو بتاوے مگر اسکی نفی نہیں ہے کہ وہ مضامین قرآن بتاتا اور حضرت محمد ان مضامین کو اپنے محاورہ عربی میں صاف کرلیتے ہوں کیونکہ اس کا انکار آیت قرآنی بالامیں نہیں ہے۔

دوم۔ یہ کہ سوائے شخص مذکورہ بالا کے جو اور شخص غیر ولائت اور اہل کتاب مدت مدید سے یا بچپن سے مکہ وغیرہ میں رہتے تھے مثل غلاموں نصاریٰ کے اور جن کو اس سبب صاف عربی بولنی مثل اور عربوں کے آتی تھی ان کے لئے آیت قرآنی بالامیں یہ انکار نہیں کیا گیا کہ وہ لوگ مضامین اور عبارت قرآن دونوں چیزیں حضرت محمدﷺ کو سکھاتے ہوں۔

سوم۔ یہ کہ جو یہود ونصاریٰ خاص اہل عرب ان کی نسبت آیت بالا قرآنی میں ہرگز انکار نہیں بلکہ اقرار ہے کہ وہ عربی مثل قرآن کے بول سکتے تھے اور اس واسطے دونوں چیزیں یعنی مضامین اور عبارت قرآن حضرت محمدﷺ کو سکھاتے تھے۔ مکہ اور مدینہ اور یمن میں بہت سے یہودی اور نصرانی رہتے تھے اور سابق میں بیان ہوا ہے اور احادیث مشکوٰۃ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ ورقہ بن نوفل ایک عرب تھا اور مکہ میں رہتا تھا اور وہ دین نصرانی رکھتا اور توریت اور انجیل کا ترجمہ عربی زبان میں کرتا تھا اور معلوم نہیں کہ کتنے اشخاص اہل عرب دین نصرانی مثل ورقہ بن نوفل کے مکہ وغیرہ میں رہتے ہونگے اور وہ ورقہ کے مدت بعد تک جیتے رہے ہونگے یہاں تک کہ حضرت محمد نے وفات پائی یا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ سوائے ازیں تاریخ طبری میں کہ اس کا ترجمہ فارسی عربی سے بلعامی نے کیا نسبت حضرت خدیجہ کے اول بیوی محمدﷺ کی اور چچازاد ہمشیرہ ورقہ بن نوفل عیسائی کہ مکہ کی تھیں یہ لکھا ہے : خدیجہ کتابہائے پیشین خواندہ بودہ خبر ہائے پیغمبروں دانستہ ترجمہ خدیجہ نے کتابیں پیشین (یعنی توریت وانجیل پڑھی تھیں اور خبریں پیغمبروں کی جانیں۔

حدیث اور تاریخ ابوالفدا وغیرہ سے ثابت ہے کہ خدیجہ قریب پچیس برس کے حضرت محمد کےساتھ رہیں کیونکہ اس کی شادی حضرت محمد سے اس وقت ہوئی جبکہ حضرت محمد کی عمر پچیس سال کی تھی اور چالیس سال کی عمر میں حضرت محمد نے دعویٰ نبوت کیا اور دس سال بعد اسکے جب حضرت محمد کی عمر پچاس برس کی ہوئی اس وقت خدیجہ نے وفات پائی اور واضح ہو کہ خدیجہ ایک بیوہ تھی اور اسکی عمر چالیس برس کی تھی جب اس کی شادی حضرت محمد سے ہوئی تھی پندرہ سال عمر میں زیادہ تھی اور وہ ایک عورت امیر اور خاندانی اہل مکہ سے تھی پس ظاہر ہے کہ وہ وفصیح عربی بولتی ہوگی سوائے اس کے وہ خود توریت وانجیل سے واقف تھی اور اس کا چچازاد بھائی فرقہ بن نوفل ایک عالم نصاریٰ میں سے تھا۔ جب بیوی مثل خدیجہ چالیس سال کی عمروالی اور لکھی پڑھی اور توریت وانجیل سے واقف اور چچازاد ہمیشرہ ایک عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کی جس نے توریت اور انجیل کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور خاندانی اہل عرب مکہ سے اور خاوند مثل حضرت محمد پچیس برس کے جو چالیس برس کی عمر تک گمراہ رہے لیکن ذیعقل اور ہوشمند اور متلاشی دین حق کے جمع ہوئے پچیس سال تک باتفاق رہے تو صریح ظاہر ہے کہ ایک تعلیم کرنے والوں میں سے حضرت محمد کے حضرت خدیجہ تھیں بلکہ معلوم ہوتاہے کہ حضرت محمد متلاشی دین حق کے بھی اس وقت سے ہوئے جب سے ان کی شادی اس خدیجہ سے ہوئی۔ تمہید میں سورہ اقراء کے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ جب ایک شخص بزرگ حضرت محمد کو غار حرا میں کہ متصل مکہ ہے ملا تو وہ بہت ڈرے اور اس حالت خوف میں اپنے گھر پاس خدیجہ کے آئے اور اس کے بعد یہ لکھاہے ۔ حضرت خدیجہ نے پوچھا کہ یہ کیا حال تھا تو حضرت محمد نے تمام احوال ان کے سامنے بیان کیا کہ میں اپنی جان سے ڈرتا ہوں کہ اس صدمہ میں ہلاک نہ ہوجاؤں۔ خدیجہ نے عرض کی کہ آپ ہر گز خوف نہ کریں کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات پاک میں اپنی رحمت کی صفتیں بہت ظاہر فرمائی ہیں چنانچہ ضعیفوں پر رحم کرتے ہو اور اپنے ناتے والوں سے احسان اور سلوک اور محبت کرتے ہو اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہو اور محتاجوں کے کاموں میں مدد گاری کرتے ہو پھر جو شخص اس قدر خلق اللہ پر رحم کرتا ہے وہ رحمت الہیٰ کے سزاوار ہونے کے لائق ہوتاہے نہ غصہ اور غضب کے بعد اس کے حضرت محمد کو ورقہ بن نوفل کے پاس ان کے چچازاد بھائی تھے اور دین عیسوی رکھتے تھے اور عبرانی کتابوں سے اور توریت اور انجیل سے خوب واقف تھے بلکہ عربی زبان میں ان کا ترجمہ بھی کرتے تھے لے گئیں اور کہا کہ بھائی ذرا سنو تو یہ تمہارے بھتیجے کیا احوال بیان کرتے ہیں ۔ باقی حال اس قصے کا اور مقام پر بیان ہوگا اور واضح ہو کہ اسلام کے عقیدہ کے موافق وہ شخص بزرگ جو حضرت محمد کو غار حرا میں ملا تھا فرشتہ جبرئیل تھا لیکن یہ غلط فہمی ہے چنانچہ ایک فصل علیحدہ میں جبرائیل قرآنی کی ماہیت ظاہر کی جاویگی ۔ قصہ بالا تفسیر عزیزی سے کہ موافق احادیث کے ہے ظاہر ہے کہ جب حضرت محمد کسی مقدمہ دینی میں پریشان خاطر ہوتے تو ان کی بیوی خدیجہ کہ ان سے پندرہ سال عمر میں زیادہ تھیں ان کی تشفی کرتیں اور نصیحت کرتیں تھیں اور بسبب اسی زیادتی عمر کے خدیجہ حال بچپن حضرت محمد سے بلاشبہ واقف ہونگی کہ وہ یتیم اور محتاج تھے اور بہ سبب اس کے کہ اول تو حضرت محمد کارکن تجارت خدیجہ کے ہوئے اور بعد ازاں جب حضرت محمد کی عمر پچیس سال کی ہوئی خدیجہ نے ان سے شادی کرلی اور اس وقت وہ آسودہ بلکہ متلاشی دین حق کے ہوئے پس خدیجہ خوب جانتی تھیں کہ بفضل الہیٰ بواسطے میرے حضرت محمد آسودہ اور متلاشی دین حق کے ہوئے اور اسیواسطے جب اسلام اختیار کرنے کے شروع میں جب کبھی حضرت محمد کو وعظ کرتے وقت کوئی دقت پیش آتی اور وہ رنجیدہ ہوتے ہونگے تو ان کی بیوی خدیجہ ان کو پچھلی باتوں کی یاد دلا کر ضرور تشفی دیتی ہونگی اور یہاں سے احتمال قوی ہوتا ہے کہ سورہ ضحیٰ قرآن کی خدیجہ کی طرف سے ہے یا ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کی طرف سے ہے پس تاکہ مضمون اس سورہ کو ناظرین قصہ اور حال مذکورہ بالا خدیجہ سے مطابق کرسکیں اور حق کو دریافت کرلیں اور سورہ موافق ترجمہ مولوی عبدالقادر دہلوی کے آگے نقل ہوتاہے سورہ ضحیٰ: قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جاوے نہ رخصت کیا(یعنی ترک کیا) تجھ کو تیرے رب نے نہ بیزار ہوا۔ اور البتہ پچھلی(حالت) بہتر ہے تجھ کو پہلی سے اور آگے دیگا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا۔ بھلا نہ پایا۔ تجھ کو یتیم پھر جگہ دی اور پایا تجھ کو بھٹکتا (یعنی گمراہ) پھر راہ سمجھائی اور پایا تجھ کو مفلس پھر محظوظ کیا۔ سو جو یتیم ہو اس کو نہ دبا اور جو مانگتا ہو اس کو نہ جھڑک اور جو احسان ہے تیرے رب کا اسکو بیان کر۔

مفسرین اہل اسلام بیضاوی وغیرہ شانِ نزول اس سورہ کا یہ بیان کرتے ہیں کہ مخالفین قریش نے حضرت محمد ﷺ سے چند سوالات کا جواب چاہا تھا پس حضرت محمد نے وعدہ کیا کہ دوسرے دن جواب دونگا اور یہ نہیں کہا کہ انشاء اللہ جواب دونگا پس بہ سبب اس خطا کے اللہ خفا ہوا اور کئی روز وحی نہیں آئی اور جواب نہ ہوا۔ پس مشرکین قریش نے دشمنی سے کہا کہ خدا نے محمد کو ترک کیا۔ ایک اور باعث خفگی خدا کا بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد نے کسی فقیر کو جھڑکا لیکن باعثِ اول درست معلوم ہوتا ہے کہ مخالفینِ قریش نے بتحریک بعض یہود کے کوئی قصہ وغیرہ سے دریافت کیا اور کوئی بتانے والا اس قصہ وغیرہ کا جلد نہ ملا پس وعدہ خلافی ہوئی اور یہ واعظ اور منذر کو بڑی خفت کی بات ہے۔ پس حضرت محمد بہت رنجیدہ ہوئے اور ان کی بیوی خدیجہ نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ نے تجھ کو ترک نہیں کیا جیسے کہ مشرکین قریش کہتے ہیں اور خدا کی عنایتیں ماضی یاد دلائیں۔

دفعہ(6)۔سورہ فرقان آیت 5 میں یہ لکھا ہے : وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْمًا وَزُورًا ترجمہ:کہا انہوں نے جو کافر ہیں نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹ افترا اور اعانت کی ہے اس کی اس بات میں ایک گروہ غیر نے پس تحقیق وہ(یعنی کفار)آئے بے انصافی اور جھوٹ پر(یعنی یہ اعتراض جھوٹا ہے)قوم اخرون یعنی قوم غیر کی قاضی بیضاوی یہ تفسیر کرتا ہے۔ای الیہود فانہم یلقون الیہ اخبار الامم وہو یعبر عنہا بعبارہ ترجمہ: یعنی یہود پس تحقیق وہ القا کرتے تھے یعنی سامنے بیان کرتے تھے اسکے (یعنی حضرت محمد) کے اخبار امتوں کے اور وہ اس میں سے عربی (بامحاورہ) بنا کے اپنی عبارت میں کرتا تھا۔آیت قرآنی مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ مشرکین مخالفین مکہ نے قرآن کو افترا بیان کیا اور اس کے ضمن میں یہ بھی کہا کہ ایک گروہ غیر لوگوں کا حضرت محمد کی اعانت قرآن کے بنانے میں کرتا ہے پس بجواب اول اعتراض مشرکین کہ الزام عظیم ہے یعنی یہ کہ قرآن بالکلیہ افترا ہے حالانکہ اکثر اجزا اور مضامین قرآن مثل قصوں انبیاء اور وحدانیت خدا اور برائی شرک و بت پرستی وغیرہ کے کتب سماویہ توریت وانجیل اور تفاسیر وغیرہ سے ہیں کیا گیا کہ کفار مشرکین مکہ بے انصاف اور جھوٹے ہیں اور شبہ نہیں کہ اس مقدمہ میں بت پرست عرب بڑے گمراہ اور ناحق پر تھے کہ کہتے تھے کہ

توریت وانجیل سب کہانیاں جھوٹی اور جعلی ہیں اور قصے انبیاء بنی اسرائیل اور ان کے معجزات اور احکام وحدانیت خدا اور ممانعت شرک و بت پرستی وغیرہ سب بناوٹیں لوگوں اولین یعنی متقدین کی ہیں چونکہ عقیدہ اور ایمان حضرت محمد کا یہ قائم ہوا تھا کہ توریت وانجیل وغیرہ خدا کی طرف سے ہیں اور قرآن جس کے اجزا اور مضامین مختلفہ اہل کتاب سے دریافت ہوئے مصدق اور مطابق ان کتب آسمانی کے ہے اس لئے قرآن بھی کلام اللہ اور وحی خدا ہے پس قول مشرکین مکہ کا کہ قرآن ایک افترا ہے بالکلیہ بے انصافی کی بات اور جھوٹ ہے چنانچہ قول آئندہ مشرکین مکہ کا بھی حضرت محمد اسی طرح رد کرتے ہیں۔سورہ فرقان مذکورہ بالا کی آیت 6 میں یہ لکھا ہے : وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ترجمہ:اور کہا (کہ مضامین قرآن)لکھاوٹیں متقدمین کی ہیں اس نے (یعنی محمد نے) لکھا پس وہ املا درست کی گئیں اس پاس صبح اور شام ۔ قاضی بیضاوی اس جائے لکھنے سے مراد کتبہا انفسہ او استکبتہا یعنی لکھوالیا ان کو اپنے واسطے آیت آئندہ آیت 7 میں مذکورہ بالا مشرکین مکہ کا یہ رد الجواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو وحی کیا کہ آسمان وزمین کے اسرار جانتا ہے۔

واضح ہو کہ اکثر مفسرین اہل اسلام یہ لکھتے ہیں کہ اساطیر الاولین یعنی لکھاوٹیں متقدمین سے قصے رستم اور اسفندیار مراد ہیں کہ ان کا عربی زبان میں ترجمہ ہوگیا تھا اور کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی یہ مراد تھی کہ قرآن ان جھوٹی کہانیوں پر مشتمل ہے لیکن یہ صریح غلط ہے کس واسطے کہ قصوں رستم اور اسفندیار میں انبیاء بنی اسرائیل مثل موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ اور تاکید وحدانیت خدا اور حقارت اور ممانعت شرک بت پرستی وغیرہ کا ہرگز بیان نہیں ہے اور چونکہ مشرکین مکہ خوب جانتے تھے کہ یہ حالات انبیاء اور مضامین وحدانیت خدا وغیرہ یہود و نصاریٰ سے مراد رکھتے تھے گو اس میں شبہ نہیں کہ یہ بت پرست قوم عرب ان کتب مقدسہ وغیرہ کو بھی جھوٹی کہانیوں جانتے تھے چنانچہ ایک جائے قرآن میں مذکور ہے کہ انہوں نے قرآن اور توریت دونوں کو سحر یعنی جھوٹ بیان کیا پس ان وجوہات سے جواب حضرت محمد کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مضامین قرآن کتب اللہ توریت وانجیل سے ہیں اور اس واسطے وحی خدا سے ہیں اور نہ جھوٹی کہانیاں جیسے کہ تم مشرکین مکہ کہتے ہو یہ جواب مقصود حضرت محمد کا ہوسکتا ہے اور نہ یہ کہ غیر لوگ یہود و نصاریٰ میں سے

حضرت محمد کو توریت وانجیل کی باتیں نہیں تعلیم کرتے جیسے کہ جمہور اہل اسلام سمجھتے ہیں کیونکہ یہ بات دفعات گذشتہ سے باطل ہے ۔ سوائے ازیں اگر نفی معلموں یہود و نصاریٰ کی کیجاوے تو جواب حضرت محمد کامعقول نہیں کیونکہ اسی کتاب میں بیان ہواہے کہ قرآن میں اقرار ہے کہ وہ شخص جسکی طرف مشرکین مکہ گمان کرتے تھے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم کرتا تھا وہ عجمی یعنی غیر ولایت کا تھا اور عربی صاف اور بامحاورہ نہیں بول سکتا تھا حالانکہ قرآن عربی صاف میں ہے پھر اسی دفعہ میں بیان ہوچکا ہے کہ مشرکین مکہ نے جواب دیا کہ قرآن کے مضامین اساطیر الاولین یعنی جھوٹی کہانیوں متقدمین میں سے ہیں اور فقط ایک عجمی یعنی غیر ولایت کا آدمی نہیں بلکہ ایک گروہ غیر لوگوں کا حضرت محمد کو تعلیم کرتاہے اور تسلیم کیا کہ وہ غیر لوگ عربی صاف نہیں بول سکتے ہوں لیکن حضرت محمد نے ان سے سن کر عربی صاف اپنے دل میں بنالیتے ہیں حفظ کرلیتے ہیں اور اسی میں یہ بھی بیان ہوچکا ہے کہ مفسرین اہل اسلام تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو عیسائیوں جبر اور یسا تلوار بنانے والوں کے پاس جومکہ میں رہتے اور توریت اور انجیل پڑھا کرتے تھے جایا کرتے تھے اور ان کتب مقدسہ کو سنا کرتے تھے اور سوائے ازیں اور نصرانی غلاموں وغیرہ کا نام بیان ہوا ہے کہ وہ حضرت محمد سے ملتے تھے پس مشرکین مکہ کو فقط یہ کہہ دینا کہ تم جھوٹے ہو اور جتنے قصے وغیرہ انبیاء سابقہ مندرجہ توریت اور انجیل قرآن میں مذکور ہیں وہ سب وحی اللہ سے حاصل ہوئے اور نہ یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کسی اہل کتاب سے سنا ہو کچھ جواب نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک انکار بلاوجہ ہے ۔چاہئیے تھا کہ جھوٹا کہنے کی بجائے معمولی وسائیل معلومات سے جو آپ کے گردوپیش تھے بیگانہ ثابت کرکے معجزہ وحی کی گنجائش قائم کرتے اور تب لوگوں کو ضدی اور جھوٹا کہتے تو زیب بھی دیتا مگر تعجب ہے کہ جب کبھی مشرکین عرب نے یہ دعویٰ کیا تو آپ نے اسی قسم کا جواب دے دیا۔ اگر حضرت محمد ان مشہور ومعروف باتوں کو جو قرآن میں بیان کی تھیں وحی اللہ کی طرف منسوب نہ کرتے اور جب اگلی کتب آسمانی کو کلام اللہ مان لیا تھا اسی طرح اس بات کا بھی اپنی وعظوں میں صاف صاف اقرار کرتے کہ وہ قصے اور ہدائیتں میں اگلی کتابوں کی سند پر بیان کرتا ہوں اور اپنے وحی کے الجھاؤ خیال میں نہ پڑتے تو فی الواقعی ایک دیانتدار واعظ ٹھہراتے۔ اور ہم بھی آپ کو مثل استیفان شہید کے سمجھتے جس نے اپنے مشہور وعظ مندرجہ اعمالرسل 7 باب میں قصہ ابراہیم واضحاق ویعقوب ویوسف وموسیٰ وطور پہاڑ وغیرہ بیان کیا اور یہ نہ کہا کہ یہ باتیں مجھ کو وحی کے انکشاف سے معلوم ہوئی ہیں کیونکہ میں موقعہ واردات پر موجود نہ تھا اسلئے مجھ کو رسول اللہ مانو اور نہ اس نے اس بات کو چھپایا کہ کہاں سے وہ اس کو قصے معلوم ہوئے تھے گو وہ روح القدس سے بھرا تھا۔" افسوس ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر امر میں اپنے تئیں ایک دیانتدار مقلد کتب الہامیہ اور احادیث یہود و نصاریٰ کا نہ جتایا۔ اب اہل اسلام ہی کچھ سوچ کریں۔

فصل سوئم

جبرائیل قرآنی کے بیان میں

اس فصل میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ وہ جبرائیل جس قرآن کی آیات کا لانے والا کہا گیا ہے اعتبار کے لائق نہیں ہے اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ وہ محض ایک آدمی تھا اور تھا بھی اہل کتاب میں سے گو اسکی آمد آسمان سے بتلائی گئی ہے۔

دفعہ (7) گذشتہ فصلوں میں ثابت ہوچکا ہے کہ تعلیم کرنے والا حضرت محمد کا کوئی فرشتہ آسمانی نہیں تھا بلکہ ایک یا کئی فرشتے ارضی تھے یعنی کئی آدمی اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے اور اب کچھ حاجت نہیں کہ اس مقدمہ میں کچھ اور لکھیں لیکن قرآن اور تفاسیر معتبرہ کے مطالعہ سے ایک اور وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یقیناً وحی لانے والا قرآن کا پاس حضرت محمد کے کوئی آدمی تھا نہ فرشتہ جبرائیل پس یہ وجہ بیان کی جاتی ہے۔

سورہ جن میں آیات 27و28 یہ ہیں الاَّ مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ترجمہ: جوپسند کرلیا کسی رسول کو تو وہ (یعنی اللہ) چلاتا ہے اس کے (رسول کے)آگے اور پیچھے چوکیدار ۔اس آیت کی نسبت تفسیر بیضاوی میں یہ لکھاہے ۔ حرسامن

الملایکتہ بحرسوز من اختطاف الشیاطین وتخالیطھم ترجمہ: چوکیدار فرشتوں میں سے جو چوکیداری کرتے ہیں کہ شیاطین کچھ (وحی) میں سے لے نہ جاویں اور کچھ ملانہ دیویں۔

آیت 28: لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا

ترجمہ:تاجانے کہ انہوں نے نے (یعنی فرشتوں نے) پہنچائے پیغام اپنے رب کے اور قابوں میں رکھاہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی۔ اس کی تفسیر قاضی بیضاوی یہ کرتا ہے کہ لیعلم المنوحی الیران قدابلغ جبرائیل والملایکتہ النسازلون بالوحی اولیعلم اللہ ان قدابلغ الانبیاء بمعنی لیقلق علمہ بہ موجود محرف من لعفر ترجمہ: تاجانے نبی کے شئے اس کی طرف وحی کی گئی تحقیق پہنچائی جبرائیل جوکہ وحی کے ساتھ (آسمان سے) اترے یاتا یاجانے اللہ کی تحقیق پہنچایا انبیاء نے (اس وحی کو آدمیوں کی طرف) اللہ کے جاننے سے یہ مراد ہے کہ پیغام ربانی کا بے کم وبیش پہنچانا جب الواقع ہو تو اللہ اس وقوعی حالت میں اس کو جانے۔

مدراک نے فقط معنی دوئم کہ بیضاوی سے نقل ہوئے بیان کئے ہیں۔ مراد بیضاوی کی یہ ہے کہ غرض چوکیداری فرشتوں سے یہ تھی کہ جبرائیل کچھ تغیرو تبدل وحی قرآن میں نہ کرسکیں یا یہ کہ نبی کچھ تغیر اس وحی میں نہ کرسکے ۔ پس بہر تقدیر حضرت جبرئیل معتبر رسول ملکی نہ ٹھہرے یعنی ان سے دو طرح کے خطرے متصور تھے ۔اول تو یہ کہ وہ خودوحی خدامیں تغیرو تبدل کردیں دویم یہ کہ جب نبی کوئی تغیر اس وحی میں کردے تواس کی وہ مانع نہ ہوں یعنی شریک اس گناہ عظیم کے ہوں بہر حال اور فرشتوں کی چوکیداری کی ضرورت تھی تاکہ اکیلے حضرت جبرائیل مقدس باعثِ تغیر وحی اللہ کے نہ ہوں۔

واضح ہوکہ اکثر مفسرین اہل اسلام معنی اول کہ بیضاوی سے نقل ہوئے بیان کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ غرض چوکیداری فرشتوں سے یہ تھی کہ حضرت جبرائیل کچھ تغیر و تبدل وحی قرآن میں نہ کردیں چنانچہ صاحب تفسیر حسینی یہی لکھتاہے اور دو آتیوں 27و 28 سورہ جن کا ترجمہ اور تفسیر کرتاہے: مگرآنرا کہ پسند داز فرستادہ خود کہ اور ابر بعضی ازاں (یعنی غیوب) اطلاع وہدتا معجزہ دے بود۔ مراد ازیں رسول محمد است پس بدر ستیکہ درمی آرد خدا تعالیٰ یعنی میساز دواز پیش روی آں رسول پسندیدہ عم نگہباناں ازملائکہ کہ ویراپا س میدارندتا بداند نبی آنچہ برسایندہ جبرئیل عم وملائکہ کہ بوقت وحی باوے می باشند فرستادہائے پروردگار خودرابے تغیر وتبدیل وفرا گرفتہ است علم خدا تعالیٰ اور شامل شدہ بانچہ نزدیک رسل وملائکہ است وشمردہ است ہمہ چیز ازروئے عدد تاآنکہ قطرہائے باراں وریگہائے بیابان اومثال آں ہمہ میداند مراد کمال علم است ترجمہ: اس کو پسند کیا (اللہ نے) اپنے رسولوں میں سے کہ اس کو بعض ان سے (یعنی غیب کی باتوں سے) اطلاع دیتا ہے تا معجزہ اس کے لئے ہووے۔ مراد اس رسول سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے پس تحقیق حاضر کرتا ہے یعنی کرتاہے آگے چلنے والے اس رسول پسندیدہ کے عاقل نگہبان لوگ فرشتوں میں سے کہ دے اسکی (یعنی غیب کی بات یاوحی کی) پاسبانی کریں تاجان لے نبی (یعنی محمد) کہ جو کچھ پہنچایا جبرائیل عم اور (اور) فرشتوں نے بوقت نزول اس کے ساتھ رہتے ہیں (وہ) پہنچی ہوئی بات اپنے پروردگار کی طرف سے بے تغیر اور تبدیل (ہے) اور گھیر لیاہے علم خدا تعالیٰ نے وہ شامل ہوا ساتھ اس کے جو کچھ کہ رسل اور ملائکہ کے پاس ہے اور شمار کیاہے ہر چیز کو ازروئے عد تاآنکہ قطرہائے باران اور ریگہائے بیابان کو اور مثل اس کے سب کو جانتاہے مراد کمال علم خدا تعالیٰ سے ہے ۔ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ اکیلے واحد فرشتہ حضرت جبرائیل پر اعتبار نہیں ہوسکتا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین ہو کہ جووحی قرآن وہ فرشتہ مقدس لاتا ہے وہ بے تغیر و تبدیل ہے جب تک کہ اسکے ساتھ اور فرشتے اہل عقل بطریق پاسبانوں اور چوکیداروں کے نہ ہوں اور چونکہ شیاطین روحانی اور دلی ہوتی ہے کہ نیک اور حق باتوں خدا کو دل میں سے نکال لیتے ہیں اور بد اور نالائق اور غیر حق باتوں کو دل میں بھرتے ہیں اور اس واسطے انسان یا کوئی مخلوق جس پر شیاطین کا اثر ہوتا ہے باغی اور سرکش خدا تعالیٰ اپنے پروردگار سے ہوتاہے اور ظاہر ہے کہ وحی اللہ میں تغیر و تبدیل کرنا ایک نہایت سخت گناہ ہے کہ اس سے کوئی گناہ عظیم تر نہیں ہے پس تحقیق ہواکہ میل جبرئیل کا اس نہایت سخت فساد اور گناہ کبیرہ کی طرف تھا اور چونکہ موافق فضل خاص اللہ تعالیٰ کے یہ سخت گناہ کل ملائکہ مقدسین سے اور خصوصاً حضرت جبرئیل سے ممکن نہیں ہے پس تحقیق ثابت ہواکہ جبرئیل قرآنی کوئی سخت بدعتی آدمی اہل کتاب سے ہوا اور یقیناً یہ شخص کوئی نصاریٰ اہل یہود میں سے ہوگا کیونکہ قرآن میں مسیح کی بابت اس اعتقاد کی باتیں ہیں جو یہودی عیسائی رکھتے تھے اور نصرانی کرکے جانے جاتے تھے ۔ پس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جبرئیل قرآنی کوئی شخص ان سخت

بدعتی فرقوں یہود میں سے تھا جو کہ بالکلیہ منکر عیسیٰ بن مریم کے نہیں ہیں بلکہ ان کی نبوت اور
رسالت کے قائل ہیں گو موجد اور سخت مسئلوں بدعتی کے ہیں۔ ان فرقوں بدعتی یہود کا کتاب
تاریخ ابو الفدامیں بیان موجود ہے۔

دفعہ (7)معالم میں تفسیر آیات مذکورہ بالا 27و 28 سورہ جن کی کچھ اور طرح پر ہے پس اس میں سے
آگے نقل کرتے ہیں نسبت چوکیدار فرشتوں کے یہ لکھاہے کہ محفظونہ من الشیاطین ان یسترقواالسمع
ومن الجن ان یستمواالوحی فیلقلوالی اللکنتہ: ترجمہ:حفاظت کریں اس کی شیاطین سے کہ چوری چھپے
سن نہ بھاگیں (یعنی وحی سننے نہیں دیتے ہیں)اور جنوں سے کہ وحی کو نہ سن پائیں پھر جادو گروں
میں جا نہ پھیلائیں ۔ اگر چوری کرنے وحی قرآن سے فقط یہ مراد ہے کہ شیاطین آیات قرآنی سن کر
بھاگ جاتے تھے اور کاہنوں کو بتادیتے تھے تو ظاہر ہے کہ وحی قرآن کے پورے اور کامل پہنچنے میں
کچھ دقت اور نقصان نہیں ہوتا ہے لیکن آیت آئندہ میں باعث تقرری فرشتوں چوکیدار کا یہ بیان
کیا گیاہے کہ بلا تغیر یعنی بلاکمی وخرابی وبیشی کے وحی قرآن پہنچے پس معلوم ہوا کہ اس جائے چوری
کرنی شنوائی سے مراد نقصان اور زیادتی اور خرابی کرنا وحی قرآن میں ہے ۔ یہی معنے قول بالامعالم
کے درست ہوسکتے ہیں کیونکہ آیت 28 سورہ جن میں باعث تقرری چوکیداروں کا صاف یہ لکھا ہے
تا کہ حضرت محمد ﷺ جان لیں کہ جبرائیل اور ، اور ملائکہ ان کے ساتھ والوں نے وحی قرآن کو بلا
تغیر پہنچایا اور یہی تفسیر بیضاوی اور حسینی وغیرہ کرتے ہیں جیسے کہ بیان ہوچکا اور آگے جاکے
معالم میں بھی یہی لکھا ہے جیسے کہ بیان ہوگا۔ سوائے اس کے عیاں ہے کہ ظاہری معنی قول بالا
معالم میں بھی یہی لکھا ہے جیسے کہ بیان ہوگا۔ سوائے اسکے عیاں ہے کہ ظاہری معنی قول بالامعالم
کے بالکلیہ غلط ہیں کس واسطے کہ اگرشیاطین سن کر قرآن کاہنوں وغیرہ کو بتاویں تو اس میں فائدہ
ہے کہ کاہن اور بت پرست لوگ یہی ہدایت پائیں بلکہ شیاطین بھی جیسے کہ سورہ جن میں لکھا ہے کہ
جن کی قوم کے لوگوں نے قرآن سن کرہدایت پائی پس جائے منع کرنیکے اشتہار عام اس کا چاہیے
تھا کہ سب شیاطین اور جن حاضر ہوں اور قرآن کو سنیں اور اس کو یاد کرکے کاہنوں اور بت
پرستوں کو بتادیں تا کہ حق مشتہر ہو اور شرک غائب۔اگر یہ کہا جاوے کہ اس میں یہ دقت تھی کہ
بوساطت شیاطین کے کاہن لوگ وحی قرآن پہلے سے معلوم کرسکتے تھے اور حضرت محمد ﷺ پیچھے
سے مشتہر کرتے تھے اور اس میں بزرگی حضرت محمد میں فرق آتا تھا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے
کیونکہ جب جبرائیل نے قرآن حضرت محمد کو سنایا اس وقت شیاطین نے بھی سنا اور جب
حضرت محمد نےآدمیوں کو سنایا اس وقت شیاطین نے کاہنوں کو سنایا پس ظاہر ہے کہ مضامین
قرآن حضرت محمد کو پہلے معلوم ہوئے اور کاہنوں کو پیچھے اور مسلمانوں کو پہلے اور بت پرستوں کو
پیچھے پس بزرگی حضرت محمد کی قائم رہی ۔ قطع نظر اس کے شیاطین ہزاروں جھوٹی باتیں
مشرکین کو ہمیشہ سے سکھاتے آئے ہیں۔ پس اگر کچھ حق بھی پہلے سے شیاطین بتاتے تو اسمیں
فائدہ تھا کہ مشرکین عرب اس قدر مخالفت نہ کرتے جس قدر انہوں نے کی غرض یہ کہ یہ قول معالم
موافق معنی ظاہر کے بالکلیہ غلط ہے اور قابل التفات نہیں ہے اور اس سے بھی ظاہر ہے کہ جبرائیل
اکیلے کافی نہ تھے ۔ پر معالم یہ لکھتاہے کہ قال مقتال وغیرہ کا ناللہ اذا بعث لاتاً شیطان فی سورۃ ملک
یخبرہ فبعث من اللہ من بین یدیہ ومن خلفہ رصداً من الملائک یحرسونہ ویطردون الشیاطین فاذا جاء
شیطان فی صورۃ ملک اخبروہ بانہ شیطان فاخذروہ اذاجاء ملک قالعہ ہذا رسول۔ ترجمہ: کہامقاتل وغیرہ
نے کہ جب اللہ کسی رسول کو بھیجتا ہے تو آتا ہے (رسول) پاس ایک شیطان بصورت فرشتہ کے
(اور) خبر پہنچاتاہے پس مقرر کرتاہے اللہ آگے اور پیچھے اس کے چوکیدار فرشتے اور وہ چوکیداری
کرتے ہیں اس کی اور خارج کرتے ہیں شیاطین کو پس جب آیا کوئی شیطان بصورت فرشتہ تو وہ
(چوکیدار فرشتے) خبر دیتے ہیں اس کو (یعنی نبی کو) یہ کہ شیطان ہے پس اس سے ڈرتے رہو اور
جب آتاہے فرشتہ کہتے ہیں اس نبی سے یہ ہے رسول تیرے رب کا۔

اس قول مقاتل وغیرہ سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ فقط اکیلے حضرت جبرائیل
کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نشانی ایسی نہ بخشی اور نہ عقل روحانی نبی کو عطا فرمائی کہ نبی شیطان خبیث
بصورت فرشتہ میں اور حضرت جبرائیل مقدس میں امتیاز کرسکے ۔ دوئم۔ یہ کہ اس صورت میں نبی
کو شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید سارے فرشتے شیاطین ہوں اور انہوں نے فرشتوں کا بھیس بدل لیا ہو اور
وہ ایک شخص جس کو وہ شیطان بتاتے ہیں حضرت جبرائیل ہوں۔ غرض یہ کہ یہ قول مقاتل
وغیرہ کا معقول نہیں معلوم ہوتا ہے اور سوائے ازیں یہ قول بالکلیہ غیر ہے مقصد آیت قرآنی کے
کہ وہ یہ ہے کہ چوکیدار واسطے حفاظت اور نگہبانی اجزاء قرآن کے تھے تا کہ نبی جان لیوے کہ وہ

اجزاء قرآنی میرے پاس خدا کی طرف سے ٹھیک ٹھیک پہنچے اور نہ یہ کہ چوکیدار اس واسطے مقرر تھے کہ نبی کو بتادیں کہ لانے والا اجزاء قرآن کا فرشتہ تھا یا شیطان چنانچہ خود معالم میں بھی آگے یہی لکھاہے اور وہ یہ ہے لیعلم قرا یعقوب لیعلم بضم الیاء اسی لیعلم الناس ان الرسول قدا بلغو وقرا الاخرون بفتح الیاء وای لیعلم الرسول ان الملائکہ قد ابلغور رسالت ربھم۔ ترجمہ: تا جائے پڑھا یعقوب نے لیعلم ساتھ پیش یا کے یعنی تاکہ جانیں آدمی کے رسول نے تحقیق پہنچائے اور پڑھا اوروں نے ساتھ زبریاء کے یعنی تاجانے رسول کہ فرشتوں نے تحقیق پہنچائے پیغام اپنے رب کے ظاہر ہے کہ قرات ایک شخص یعقوب کی معتبر نہیں ہوسکتی ہے جبکہ بہت سے لوگ قرات مشہور ساتھ زبریاء کے منظور کرتے ہیں سوائے ازیں آدمیوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ فرشتے وحی قرآن حضرت محمد پاس لاتے ہیں ان کا ایمان فقط قول حضرت محمد پر ہوسکتا تھا۔ پس ان کے نزدیک یہ امر بے پروائی محض کا تھا کہ آیا حضرت محمد پر ایک فرشتہ وحی قرآن لاتا ہے یا کئی اور فرشتے اس کے ساتھ بطور چوکیداروں کے ہوتے ہیں پس تحقیق ہوا کہ وہی بات درست رہی جو کہ پہلے بیضاوی اور حسینی وغیرہ سے نقل کی گئی یعنی یہ کہ تقرری اور فرشتوں کی بطور چوکیداروں کے اس واسطے تھی تاکہ حضرت محمد جان لیویں کہ جو وحی قرآن جبرئیل لاتے تھے اس میں کچھ تغیر وتبدیل وخرابی نہیں ہوئی ہے کیونکہ چوکیدار فرشتے موجود تھے کیا مقدور تھا کہ حضرت جبرئیل یہ کارشیطانی تغیر وتبدیل کا عمل میں لاسکتے نعوذ باللہ من الشیطان الرحیم۔ ہذا بہتان "عظیم" علیٰ جبرئیل۔ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص اجزاء قرآنی حضرت محمد کو پہنچانے میں پیش تھا کوئی سخت بدعتی اور سرکش نصاریٰ میں سے تھا۔

دفعہ (8)اب ہم ایک بڑے محقق علماء اہل اسلام متاخرین کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر عزیزی میں سے معنی آیتوں 27و28 سورہ جن کے دریافت کرتے ہیں آیت 27 اول الامن ارتضی من رسولٍ یعنی مگر کسے راکہ پسند میکندوآں کس رسول میبا شدہ خواہ ازجنس ملک باشد مثل حضرت جبرئیل عم وخواہ ازجنس بشر مثل محمدوموسیٰ عیسیٰ کہ اور اظہار بریعضی ازعیوب خاصہ خود میسر مائد تاآں عیوب رابمکلفین برساندہ تلبیس واشتباہ ازروئے بکلی دفع میمنایدتا احتمال خطاوناراستی اصلاپیرامون آں نہ گردوعامہ مکلفین کہ بدیدن معجزہ تصدیق رسول بشری نمودہ باشندہ دروحی ہرباره برآں اعتماد نمودہ درغلط ینفتدراہ حق مگرنہ کنند لہذا درانزل وحی احتیاط بلیغ بکار میردو ترجمہ: مگر جو پسند کرلیا کسی رسول کو یعنی کسی کو کہ پسند کرتا ہے اور وہ شخص رسول ہوتا ہے خواہ وہ جنس فرشتوں میں سے ہو مثل جبرائیل کے خواہ وہ جنس انسانی میں ہو مثل محمد اور موسیٰ اور عیسیٰ کے کہ اس کو بعض خاص غیب کی باتیں اپنی ظاہری فرماوے تاکہ وہ (رسول) ان غیب کی باتو کو ایمانداروں کو پہنچائے اور حق کے چھپانے اور شبہ کو اس سے بالکلیہ دفع کرتے تا احتمال خطا اور ناراستی کا اصلاگھیر نیولااس کا نہ ہو اور ایماندار عوام جنہوں نے کہ معجزہ دیکھنے سے تصدیق رسول انسانی کی ہو بہر صورت اس پر اعتماد کرکے غلطی میں نہ گریں اور راحق کو گم نہ کریں اور اس واسطے نازل کرنے وحی میں احتیاط بلیغ کام میں لاتا ہے (یعنی اللہ لاتا ہے) اس قول شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سے ایک درست بات معلوم ہوتی ہے کہ اسکو آگے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

شبہ نہیں کہ ایمانداروں عوام کو رسول بشری کے معجزات صریح اور اسکے اخلاق اور تعلیم عمدہ مشاہدہ کرکے اعتماد ہوتا ہے کہ یہ رسول خدا کی طرف سے ہے اور اگر یہ نشانیں موجود ہوں تو یقیناً عوالوگ جو خدا سے ڈرتے ہیں اس رسول پر ایمان لاتے ہیں گووہ نہ جانیں کہ وحی اللہ تعالیٰ اس رسول پر کس طریق سے نازل ہوتی ہے خواہ رسول یہ کہے کہ میرے پاس فرشتے آتے ہیں اور وہ مجھے وحی پہنچاتے ہیں خواہ یہ کہے کہ میں خواب دیکھتا ہوں اور اس طور سے وحی نازل ہوتی ہے اور خواہ یہ کہے کہ میرے دل میں ایک حرکت ربانی ہوتی ہے کہ اسکی کیفیت بیان سے باہر ہے بہر صورت مکلفین یعنی ایمانداروں عام کو یہ سب باتیں معلوم نہیں ہیں اور یہ دعویٰ رسول کا کہ مجھ کو وحی خدا کی طرف سے ہوتی ہے فقط اس کے معجزات صریح اور اخلاق وتعلیم نیک مشاہدہ کرکے مکلفین تسلیم کرتے ہیں نہ کیفیت یا طریق وحی کے جاننے سے کہ جو اول تو معلوم نہیں ہوسکتا ہے الاجبکہ ہر واحد مکلفین عامہ میں سے ایک نبی اور رسول ہوجاوے اور دویم یہ کہ اس کا جاننا محض بیکار ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ قول شاہ عبدالعزیز کا درست ہے چنانچہ اسی بات کو واضح ترکرکے شاہ عبدالعزیز صاحب اسی آیت کی تفسیر میں ایک اور جائے یوں لکھتے ہیں: اماعامہ مکلفین پس بہ سبب تصدیق معجزہ علم بوحی الیشاں استدلالے میشودنہ ازقبیل اطلاع برغیب ترجمہ: اماعامہ مکلفین کا علم نسبت

وحی بہ سبب تصدیق معجزہ کے مدلل ہوجاتا ہے نہ از قبیل اطلاع غیب پر۔ البتہ وہ لوگ لاعلاج ہیں اور ان کے لئے معجزات صریح اور اخلاق اور تعلیم نیک رسول کی کوئی حجت نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ بعض قسم کے جھوٹ کو اور زنا کرنے اور چوری کرنے وغیرہ میں ہم کچھ نقصان نہیں دیکھتے ہیں اور کیا ڈر ہے اگر ہم ایک پتھر یا ایک بیل یا ایک درخت یا ایک بد اخلاق اور پر شہوت بادشاہ وغیرہ کو ظہور او تعالیٰ سمجھیں اور دل لگانے کے لئے اس کی عبادت کریں لیکن یہ قول شاہ صاحب کا کہ وحی کے نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ احتیاط بلیغ کام میں لاتا ہے یعنی چوکیدار فرشتے مقرر کرتا ہے تا کہ عوام لوگ جو بہ تصدیق معجزات صریح رسول پر ایمان لائے ہیں غلطی میں نہ گریں اور گمراہ نہ ہوں ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ جب قلیل القدر فرشتہ جبرائیل قابل اعتبار نہ رہا تو کل فرشتوں پر سے اعتبار جاتا رہا اور وہ سب مثل بنی آدم مردود از جنت اور مطیع نفس سرکش اور گناہ گار ٹھہرے اور سب فرشتوں سے خطرہ ہوا کہ وحی قرآن میں تغیر و تبدیل کریں پس بجائے احتیاط بلیغ کے بے انتظامی محض کارخانہ وحی میں ہوئی چنانچہ اس کا حال مفصل دفعہ آئندہ سے ظاہر ہوگا۔

دفعہ (9) جملہ دوم آیت 27 از تفسیر عزیزی فانہ یسلک یعنی پس بہ تحقیق پروردگار من روانہ میکند ومعین میسازد من بین یدیہ یعنی ازپیش دست آں رسول خواہ رسول ملکی باشندہ خواہ رسول بشری وپیش دست اوقوت فکریہ وقوت وہمیہ وقوت خیالیہ اوست وطباع وعادات واخلاق حاضر الوقت اور فکریہ وقوت وہمیہ وقوت خیالیہ اوست وطباع وعادات واخلاق حاضر الوقت اودمن خلفہ یعنی ازپس پشت آں رسول خواہ ملکی باشندہ خواہ بشری وپس پشت اور علوم مخزونہ درحافظہ واست وطباع واخلاق وعادات متروک اور رصداً یعنی چوکیدار ان راز جنس ملائکہ دروقت آوردن وحی و گرفتن آں قوت فکریہ وہمیہ وخیالیہ اور اسبقت کردن نہ دہند مقتضائے طبعیت وعادات اخلاق اور ابند کند تا باحکام وحی نیا میزد وایں محافظت وچوکیداری ازپیش دست ادست پس رسول دروقت تلقف وحی تار سایندن آں معطل القویٰ میسارزد کہ کہ ہیچ قوت اوجہی دراں دخل نتواند کرد الخ ترجمہ: تووہ (اللہ) چلاتا ہے یعنی پس بہ تحقیق پروردگار میرا روانہ کرتا ہے اور معین کرتا ہے اس کے آگے یعنی پیش دست یعنی سامنے ہے اس کے قوت فکریہ اور قوت ہمیہ اور قوت خیالیہ اور طبایع اور عادات اور اس کے اخلاق حاضر الوقت اور اسکے پیچھے سے یعنی پیچھے سے اس رسول کے خواہ وہ رسول فرشتہ ہو خواہ انسان اور اسکے پیچھے علوم یعنی معلومات کہ اس کے حافظہ میں جمع کئے ہوئے ہیں اور طبایع وعادات اور اخلاق اس کے ترک کئے ہوئے ہیں۔ چوکیداران یعنی چوکیداروں کو فرشتوں میں سے تا کہ وقت لانے اور گرفت کرنے وحی میں قوت فکریہ اور قوت وہمیہ اور خیالیہ کو سبقت (یعنی دخل) نہ کرنے دیں اور اسکے مقتضائے طبعیت اور عادت اور خلق کو بند کریں تا کہ احکام وحی سے آمیزہ نہ ہوں اور یہ محافظت اور چوکیداری اس کے (یعنی رسول فرشتہ یا بشر کے) سامنے ہے اور حرکت معلومات خزانہ کی گئیں گوہ اور اخلاق متروکہ کو وحی میں مل جانے سے منع کریں اور یہ محافظت اور چوکیداری اس کے (یعنی رسول فرشتہ یا بشر کے) پیچھے سے ہے پس رسول کو وقت گرفت کرنے وحی سے اسکے پہنچانے تک معطل القویٰ کرتے ہیں کہ کوئی قوت (وہمیہ وغیرہ) اس کی کسی وجہ سے اس میں (یعنی وحی میں) دخل نہ کرسکے۔

خلاصہ اس قول بالا شاہ عبدالعزیز صاحب کا یہ ہے کہ فرشتے چوکیدار اس واسطے مقرر ہوتے ہیں کہ نہ فرشتہ جلیل القدر حضرت جبرئیل کو کہ رسول ملکی ہیں اور موافق اعتقاد اہل اسلام کے حضرت محمد کو وحی قرآن پہنچاتے تھے اور نہ رسول انسانی حضرت محمد کو اپنے قوائے وہمیہ اور فکریہ اور خیالیہ اور عادات اور اخلاق متروکہ سے دخل وحی اللہ میں کرنے دیں اور فرشتے جبرئیل جو وحی قرآن حضرت محمد ﷺ کو پہنچاتے تھے اور محمد صاحب جو وحی قرآن آدمیوں عوام کو پہنچاتے تھے دونوں مثل نغری بیجان کے بوقت پڑھ ستانے اجزاء قرآن کے ہوجاویں تا کہ خالص وحی اللہ لفظاً لفظاً آدمیوں کو پہنچے اور اسمیں خیالات اور توہمات ملکی و بشری ہرگز آمیزہ نہ ہوں دفعہ 7 کے آخر میں ثابت ہوا ہے کہ باعث تقرری فرشتوں چوکیداروں کا یہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ جان لیویں کہ فرشتوں نے تحقیق پہنچائے پیغام اپنے رب کے لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب فاعل لیعلم کا اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں یعنی ان کی یہ مراد ہے کہ باعث تقرری فرشتوں چوکیداروں کا یہ تھا کہ تا کہ خدا جان لیوے کہ حضرت جبرئیل رسول ملکی نے اور حضرت محمد رسول بشری نے اپنے رب کے پیغام تحقیق پہنچائے یعنی بلاتغیر و تبدیل لیکن یہ معنی درست نہیں معلوم ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب علم حاصل ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے تو تاویل کی حاجت ہوتی ہے بہر تقدیر یہ ظاہر ہے کہ جبرائیل کے لئے بھی نگہبانی ضرورت تھی تا کہ وہ اپنے توہمات وحی قرآن میں نہ ملاویں۔ قول

مذکورہ بالاشاہ صاحب سے دریافت ہوتاہے کہ جبرائیل میں اس قدر غلبہ قوائے وہمیہ وفکریہ وخیالیہ اور عادات متروکہ وغیرہ کا تھا کہ جب تک کہ ایک گروہ اور فرشتوں کااس کے گردا گرد چوکسی نہ کرے اور اس کو بالکلیہ معطل القوائے نہ کردے اس وقت تک خطرہ رہتا تھا کہ جبرائیل وحی قرآن میں موافق اپنے توہمات کے تغیر وتبدیل سے باز نہ آویگا۔ بہت سے لوگ ہر ملت اور گروہ میں ایسے ہوئے ہیں اور ہیں کہ فقط اپنے ارادہ کوشش سے اور نہ کسی کی نگہبانی اور چوکیداری سے اپنے توہمات کو بالکلیہ دخل نہیں دیتے ہیں اور بڑی سے بڑی سورہ قرآن کے برابر بلکہ زیادہ صفحوں کے رسالے حفظ بالا ایک لفظ کی غلطی کے پڑھ سناتے ہیں اور تغیر وتبدیل مضمون کا تو کیا ذکر ہے پس یہاں سے معلوم ہوا کہ بہ نسبت بنی آدم کے بھی نفس حضرت جبرائیل جلیل القدر فرشتہ کا زیادہ سرکش تھا پس وہ شیطان سے بدتر تھا کیونکہ وہ خداوند تعالیٰ کے کلام میں تغیر وتبدیل کرنے کا میل رکھتا تھا اور نہ کسی مخلوق کے کلام میں گو یہ بھی ایک گناہ عظیم ہے۔

علاوہ ازیں جب جبرائیل فرشتہ جلیل القدر ہوگا الہی میں رسول معتبر نہ ٹھہرا تو اور فرشتوں اس کے ہمجنس پر اکثر اس سے کم رتبہ کے ہیں کیا اعتبار ہوسکتا ہے بمثل مشہور چور کا بھائی گٹھی چور۔ جب جبرائیل میں غلبہ قوائے وہمیہ وخیالیہ وغیرہ کاہوا تو اور فرشتوں میں بھی ہوگا پس ممکن بلکہ غالب ہے کہ جب جبرئیل وحی قرآن حضرت محمد کے سامنے پڑھتا اس وقت فرشتے چوکیدار بغلبہ اپنے قوائے وہمیہ وغیرہ کے جبرائیل کے قوائے وہمیہ وغیرہ کے بند نہ کرتے ہوں بلکہ اور فراخ کرتے ہوں اور چونکہ ان چوکیدار فرشتوں کوایک غیر شخص کے قوائے وغیرہ کو بند کرنیکا اختیار حاصل تھا تو قرین قیاس ہے کہ ان کو اپنے تخیلات اور توہمات کو غیر میں ڈالنے کا اختیار اور قدرت حاصل ہو اور اس طریق سے توہمات اور تخیلات بہت سے فرشتوں کے جبرائیل کے دل میں جائے یا کروحی قرآن میں مخلوط ہوئے ہوں اور شاید بسبب اختلاف توہمات اور تخیلات فرشتوں چوکیداروں کی قوائے وہمیہ وخیالیہ وغیرہ کو بند کرلیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جبرائیل کی قوائے وہمیہ وغیرہ کو کیوں نہ بند کیا۔ کیا وہی کل فرشتوں میں ایسا بد اخلاق اور سرکش تھا کہ اس فضل وغیرہ کا مستحق نہ تھا اور سوائے اس کے کیا ضرورت تھی کہ ایسے غیر معتبر اور نالائق شخص کو اللہ تعالیٰ رسول وحی قرآن کا مقرر کرتا کہ اس کے لئے اور فرشتے چوکسی کے لئے ضرور نہ تھے ایک کوان فرشتوں میں جنکی قوائے وہمیہ وغیرہ اس کے فضل سے مسدود تھیں اس کار عظیم پر کیوں نہ مقرر کیا کہ اس کے لئے کوئی چوکسی ضرور نہ تھی اور کچھ خطرہ تغیر وتبدیل وحی قرآن میں ہونے کا اس سے نہیں ہوسکتا تھا حقیقت یہ ہے کہ کل ملائکہ مطہرین کو کہ مقربین درگاہ الہیٰ میں توہمات اور خیالات بے اصل سے صاف اور پاک ہیں اور جو خیالات ان کے دلوں میں آتے ہیں وہ موافق مرضی الہیٰ کے ہوتے ہیں نہ کہ واہیات اور لغو اور بے بنیاد جیسے کہ ہم گنہگار بنی آدم کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں اور یہ خوبی فرشتوں مقدسین کو اپنے رب کے فضل خاص سے حاصل ہے اور اس واسطے ان کو قربت الہیٰ ہے۔

روح القدس کی وساطت سے سب احکام الہیٰ ان کے دلوں پر نقش کالحجر ہوتے ہیں پس ان کی عادت اور خوشی اور طبعیت اور سرور قلبی یہی ہے کہ وہ مرضی اللہ پر چلیں ان میں ایسی قوائے وہمیہ وخیالیہ وفکریہ وغیرہ کا پتہ نہیں کہ ان کے غلبہ سے خلاف مرضی اللہ کے ایک بات بھی کریں خدا پرست آدمیوں کو بھی ازروئے دلی یہ ہے کہ ان کو عادات ملائکہ مقدسین کی حاصل ہوجائیں اور بعد قیامت فضل خاص اللہ تعالی سے کل ایماندار آدمی مثل فرشتوں کے پاک اور صاف ہوجائینگے اور ان کا سرور قلبی طبعاً ودایماً یہ ہوگا کہ اللہ کی مرضی کے موافق چلیں اور نہ یہ کہ جنت میں توہمات میں گرفتار رہیں۔

غلبہ قوائے وہمیہ وغیرہ کا خلاف مرضی خداکے سخت سرکشی اللہ تعالیٰ سے ہے اور یہ محض باطل ہے کہ یہ غلبہ گناہ نہیں بلکہ لاچاری اور ضعف ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کیا جاوے تو سب بنی آدم اپنی عادات سے لاچار ہیں اور سب گناہ سے مبرا اور منزہ ہیں۔ چور کو عادت ہے کہ جہاں کوئی موقع چوری کا ملاوہ فوراً سب نقصان چوری کرنیکے بھول جاتا ہے اور قوائے وہمیہ وخیالیہ وغیرہ سے اس کے دل پر نفعے خوش آئندہ اس فعل بد کے مترتب ہوجاتے ہیں پس چاہیے کہ چوری بھی گناہ نہ ہو اور اعلیٰ ہذا القیاس۔

دفعہ (10) پھر شاہ عبدالعزیز صاحب یہ لکھتے ہیں: ہر چند رسول ملکی در اکثر ازیں چوکیداری مستغفی است اما بنا براحتیاط از بعضے امور مثل تحمل داعیہ از دواعی آلیہ کہ امضای آں بالفعل ومتقضائے حکمت نیست اور انیز چوکیداری ضرور است الخ۔ ترجمہ: ہر چند رسوم ملکی (یعنی

جبرئیل) بہت سا اس چوکیداری سے مستغنی ہے لیکن واسطے احتیاط بعض امور کے مثلاً مشیت ہائے ایزدی سے کسی مشیت کا تحمل جس کا جاری کرنا بالفعل منظور اور مقتضائے حکمت نہیں ہے اس کو (جبرائیل کو) بھی چوکیداری ضرور ہے الخ۔

مراد شاہ صاحب کی یہ ہے کہ جبرائیل کو بہت جوش وخروش اس امر کا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے دعوؤں عظیم کو ظاہر کریں اور بت پرستی مکہ کو بالکلیہ غارت کردیں لیکن منظور اور اقتضائے حکمت یہ تھا کہ اس میں تامل چاہیے وقت مناسب میں غلبہ اسلام ہوگا اور اس وقت دعویٰ اللہ تعالیٰ کے صاف صاف ظاہر کئے جائینگے پس خوف یہ تھا کہ خلاف مقتضائے حکمت ربانی کے ایسا نہ ہو کہ جبرائیل قبل وقت مناسب کے ان دعوؤں خدایت کو بت پرستوں پر ظاہر کردے اور انتظام کو مقصود اللہ کا تھا بگاڑدے پس ضرور ہوا کہ اس جبرائیل پر پہر اور فرشتوں چوکیداروں کا قائم کیا جاوے تاکہ وہ یہ حرکت نالائق اور عدول حکمی کی نہ کرسکے اور ظاہر ہے کہ چوکیدار اور نگہبان ایسے شخص پر مقرر ہوتے ہیں کہ جس کو ہزار نصیحت کرو اور دھمکاؤ پھر بھی وہ عدول حکمی اور سرکشی سے باز نہیں رہتا اور اپنی عادت نافرمانبرداری سے عاجز ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ بارہا اللہ تعالیٰ رحیم نے محبت سے اس جبرائیل کو سمجھایا ہوگا کہ یہ تیری خودرائی اور خودسری بری ہے تو میرا محکوم رہ اور میری حکمت لاثانی کا قائل ہو اور اپنی چھوٹی اور ناقص عقل اور توہمات کو دخل نہ دے لیکن اس نے نہ مانا ہوگا پس خداوند تعالیٰ نے اس پر چوکیدار مقرر فرمائے اور یہ ایک شخص نہایت سرکش کا حال ہے نعوذ باللہ اہل اسلام ایسے شخص کو جبرائیل کہتے ہیں یہ تو کوئی بڑا سرکش بدعتی اہل کتاب سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا۔ بعدازاں شاہ صاحب اور حال اس جبرائیل فرضی کا بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے : وبھذا حضرت ابن عباس روائت نمودہ اند کہ حضرت جبرئیل عم پہنچگاہ وحی ینادر ندالاکہ ہمراہ یشاں فرشتہائے دیگرہم برائے محافظت وحی مے بوودند وچوں سورہ انعام راآور ندہمراہ یشار) ہفتا دہزار فرشتہ برائے محافظت ہیں سورہ بودند وتخصیص ایں سورہ بمزید احتیاط ازیں جہت بود کہ تماماً یا باکثر یکدفعہ نازل شدوبرقدرشے محفوظ بسیار باشد محافظان زیادہ بیائند ونیز دریں سورہ بعضے ازاقسام وحی شیطانی نیز بطریق ردوابطال مذکور راست وبعضے کلمات کفر بطریق فرض محال اززبان حضرت خلیل اللہ کا عم حکایت فرمودہ اند مبادا حضرت جبرائیل عمر رآں دسواس شیطانی وآں کلمات کفر بجہت کمال نفرت دراں ازحافظہ بدرروند نقصانے درقدر وحی لازم آید الخ۔ ترجمہ: اور اس واسطے ابن عباس نے روائت کی ہے کہ جبرئیل عم کبھی وحی نہیں لاتے تھے مگر ان کے ہمراہ اور فرشتے واسطے محافظت کے ہوتے تھے اور جب سورہ انعام کو لائے ہمراہ ان کے ستر (70) ہزار فرشتے واسطے محفاظت اس سورہ کے تھے اور خصوصیت احتیاط اس سورہ کے لئے اس جہت سے تھی کہ یہ سورہ سارا یا بہت سا اس میں سے ایک دفعہ نازل ہوا اور جس قدر شئے محفوظ بہت ہوتی ہے وہ محافظ زیادہ چاہئیں اور بھی اس سورہ میں بعض از اقسام وحی شیطانی بھی بطریق رد اور ابطال کے مذکور ہے اور بعضے کلمات کفر بطریق فرض محال زبان خلیل عم (یعنی حضرت ابراہیم) سے بیان فرمائے ہیں مبادا حضرت جبرئیل عم کو وہ وسوسے شیطانی اور وہ کلمات کفر بجہت ان کے کمال نفرت کے حافظ سے جاتے رہیں اور نقصان مقدار وحی میں لازم آئیں۔

اس روائت ابن عباس سے ظاہر ہے کہ حضرت جبرائیل ایسے جوش خروش والے شخص تھے کہ ان کو اس قدر عقل نہیں رہتی تھی کہ سمجھتے کہ خاص کلمات شیطانی اور کفر فقط قابل نفرت کے ہیں اور نہ شیطانی اور کفر کی باتیں جو کہ بطریق رد اور ابطال اور فرض محال کے بیان کی جائیں شیطانی اور کفر کی باتوں کا معلوم ہونا اور ان کا رد اور ابطال ہونا ایک امر نہائت پسندیدہ اور خوشی دینے والا نزدیک کل ایمانداروں بندوں خدا کے ہے گو یہ تقریر کسی کتاب انسانی میں پائی جائے کیونکہ اس سے تقویت ایمان کی ہوتی ہے اور یقیناً وہ شخص اجہل اور نہائت برا اور سرکش اللہ تعالیٰ سے ہے بلکہ ترابلیس خبیث سے ہے جو کہ تقریرات اور کلمات کتاب اللہ سے نفرت کرے۔ ایسے شخص میں بالضرور دو باتیں ہوتی ہیں اول جہل اور دوم تکبر پس تحقیق ہوا کہ جبرائیل قرآنی میں یہ دونوں باتیں بافراط تھیں جہل تو اس لئے کہ اس نے تقریر عمدہ کو تقریر لغو اور قابل نفرت سمجھا اور تکبر اس لئے کہ اس نے اپنی عقل کو خدا کی عقل سے زیادہ سمجھا اور یہ خیال نہ کیا کہ خداوند تعالیٰ اس سے اور کل ملائکہ سے دانا تر ہے۔ غرض یہ کہ آئت قرآنی میں نہ جبرائیل کا ذکر ہے اور نہ فرشتوں کو وہاں کسی ایسے سخت بدعتی اور جاہل اور سرکش شخص کی طرف اشارہ ہے جو کہ اہل کتاب سے تھا اور حضرت محمد کو تعلیم کرنے میں پیشوا تھا لیکن حضرت محمد اس پر اعتبار نہیں

کرتے تھے جب تک کہ وہ اور لوگ اہل کتاب میں اس کے قول کی تصدیق نہ کریں اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت محمد کی اہل کتاب کے ساتھ ضرور گفتگو تھی ورنہ ان کو اپنی باتوں کی سچائی کے لئے گواہ پیش نہ کرتے اور یہ بات کہ یہ شخص جس کو اہل اسلام جبرائیل فرض کرتے ہیں ابلیس سے بدتر تھا دفعہ آئندہ سے معلوم ہوگا۔

دفعہ (11) قرآن سے ظاہر ہے کہ ابلیس کی سخت سرکشی اللہ تعالیٰ سے یہ تھی کہ جب خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ سب فرشتے آدم کو سجدہ کریں توسب نے بےچون وچرا کے ایسا ہی کیا الا ابلیس نے اور اس نے تقریریں چھانٹیں کہ دیکھو یہ کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بشر کا سجدہ کراتا ہے چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت34 فَسَجَدُواْ إِلاَّ إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ ترجمہ: پس انہوں نے (یعنی فرشتوں نے آدم کو) سجدہ کیا الا ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔

لفظ تکبر شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر عزیزی میں توضیح آئندہ کرتے ہیں۔ یعنی تکبر وزید ازانکہ مثل منی راکہ جوہر نیر آتش پیدا شاہ باشم وازاقرون بسیاء مشغول عبادت وطاعت بودہ رتمشت مہام تقنید حکام الہیٰ مساعی جمیلہ تبقدیم رسایند حکم فرمائند ہمچو مخلوقی کہ از خاک تیرہ کالبد اور بحضور من ساختہ باشندہ ہنوز مصدر کاری وترودی شائستہ نہ شد وجودت واردات جوہر بندگی اومحک امتحان نہ رسیدہ سجدہ نمایم وتن باطاعت ونیقاد واوہم کہ صریح خلاف حکمت وناقدردانی واتلاف حق سن است اویں استکبار اور کشیدہ کشیدہ باآں حدر سائند کہ ایں حکم الہیٰ را خلاف حکمت گفتن گرفت وانکار حن ایں اہ نمودگان الکافرین یعنی شداز کافراں بخدا نیرا کہ انکار حقیقت امتثال امر قطعی الہیٰ نمودہر کا انکا وجوب امتثال امری از قطیعہ نمائ فرات۔ ترجمہ: یعنی تکبر اختیار کیا اس باعث سے کہ مجھ سے کہ جوہر نیر آتش سے پیدا ہوں اور زمانوں بسیار سے مشغول عبادت اور تابعداری (اللہ کی) ہو کر جاری کرنے کارہائے عظیم اور پہنچانے احکام الہیٰ میں کوشش عمدہ کیں حکم فرماتے ہیں یعنی(اللہ حکم کرتا ہے)ایسی ایک پیدائش کو کہ سیاہ مٹی سے بت اس کا میرے سامنے بنایا ہے اور ہنوز کوئی کام اور تردد شائستہ اس سے صادر نہیں ہوا اور جودت اور صورت جوہر بندگی اس کی کسوٹی امتحان کو نہ پہنچی (ایسے مخلوق کو) میں سجدہ کروں اور تن کو ساتھ اطاعت اور مقید ہونے اس کے (ایک) وہم ہے کہ صریح خلاف حکمت اور ناقدردانی اور تلف حق خدمت میری کا ہے اور اس تکبر اپنے کو بڑہا بڑہا کر اس نے اس کو حد کو پہنچایا کہ اس حکم الہیٰ کو اس نے خلاف حکمت کے کہنا اختیار کیا اور خوبی اس حکم کا انکار کیا اور ہوا کافروں میں سے نسبت خدا کے کس واسطے کہ اس نے حق ہونے فرمانبرداری حکم قطعی اللہ کا انکار کیا اور جو کوئی واجب ہونے فرمانبرداری حکم قطعی میں سے انکار کرے وہ کافر ہے۔

قول بالا تفسیر عزیزی سے ظاہر ہے کہ تکبر اور سرکشی اور کفر کی بات ابلیس کی یہ تھی کہ اس نے یہ نہ سوچا کہ میری کیا حقیقت ہے اللہ دانا تر ہے او حکیم اکمل ہے پس جو حکم وہ دیتا ہے خالی ازحکمت نہیں ہے اور گوظاہر اوہ حکم الہیٰ خلاف عقل وانصاف معلوم ہوتا ہے پھر بھی اس کو اسرار الہیٰ میں سے جاننا چاہیے اور مجھ پر اور کل فرشتوں پر کہ اس کے بندے اور مخلوق ہیں واجب ہے کہ اس کے احکام کو بیچون وچرا تسلیم کریں اور سر جھکا کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں آمنا وصدقنا گوشبہ نہیں کہ ابلیس نے تکبر کیا اور اس واسطے وہ کافر ہوا پھر بھی اس کی وجوہات بالا کہ تفسیر عزیزی سے نقل ہوئیں معقول معلوم ہوتی ہیں خلاف اس کے جبرائیل قرآنی کے لئے ایک وجہ معقول بھی حاصل نہ تھی کہ وہ کلمات اور تقریرات شیطانی اور کفر سے کہ فقط بطریق رد اور ابطال اور فرض محال کے کتاب اللہ میں مذکور ہوئیں اس قدرت نفرت رکھتا تھا کہ خوف تھا کہ اس کی یاد سے محو ہوجاویں اور یقیناً ایسا ہی وقوع میں آتا اگر اور فرشتے چوکیدار اسکی نگہبانی کے لئے مقرر نہ ہوتے ۔ واضح ہو کہ سورہ انعام کی آیت ہفتا دو ششم وآیات آئندہ میں یہ ذکر ہے کہ اللہ نے اپنی خداوندی ابراہیم پر اس طرح ظاہر کی کہ جب ابراہیم نے کسی ستارہ کو دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ ستارہ غائب ہوگیا تو اس نے یہ نقص مشاہدہ کرکے کہا کہ یہ میرا رب نہیں ہے اور یہی بیان نسبت چاند اور سورج کے ہے پس ان دلائل سے ابراہیم نے جانا کہ رب حقیقی وہ ہے جس نے ستارے اور چاند اور سورج بنائے اور جو سب کا حاکم ہے اور میری قوم کے لوگ گمراہ ہیں کہ ان اجسام آسمانی کو پوجتے ہیں۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ خواہ ابراہیم نے شروع میں ستارہ اور چاند وغیرہ کو اپنا رب باعتقاد دلی کہا ہو اور خواہ بطریق الزام اور ہنسی کرنے اپنی بت پرستی قوم کے کہا ہو دونوں صورتوں میں اس قصے ابراہیم میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خداوندی میں کچھ بھی فرق آئے اور اگر کچھ بات حقارت کی اس قصہ میں ہو وہ نسبت ابراہیم کے

ہے یعنی یہ کہ یا تو ابراہیم ابتدامیں مثل اپنے باپ اور کل قوم کے لوگوں کے بت پرست اور ستارہ پرست تھے اور بعد ازاں فضل الہیٰ سے ان کو دلائل جھوٹ ہونے اس مذہب شرک سوجھیں اور وہ بندہ خدا واحد لاشریک کے ہوئے اور یہ حق اور درست ہے یا یہ کہ ابراہیم شروع سے ستارہ پرستی وغیرہ کو لغو جانتے تھے پس انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کا ٹھٹھااڑانے کو اور الزام دینے کو یہ جھوٹ بات کہہ دی کہ یہ ستارہ یا یہ چاند وغیرہ میرا رب ہے اور بعد ازاں ان کو غائب ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ کہا کہ ان میں نقصان ہے میرے رب نہیں اور یہ غلط ہے۔

بہر تقدیر حضرت ابراہیم ایک بشر تھے پس ان سب سے خطا ہونا کچھ تعجب نہیں اور بزرگی اور رحم اللہ تعالیٰ کا اس قصہ ابراہیم سے اظہر من الشمس ہے اور حکم اللہ جبرائیل کے لئے یہ تھا کہ اس قصہ کو بلاکمی وبیشی کے حضرت محمد کو سنا پس سوال یہ ہے کہ جبرئیل کو اس قصہ سے کیوں نفرت تھی۔ کوئی بات نفرت کی اس قصہ میں نہیں پائی جاتی ہے الایہ کہ جبرئیل کی رائے کےموافق یہ قصہ ابراہیم غیر معتبر اور جھوٹ ہو اور اسکو رنج ہوتا ہو کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ایسی جھوٹی بات نسبت ابراہیم کے حکایت کرتا ہے غرض یہ کہ صاف ظاہر ہے کہ جبرائیل قرآنی سخت سرکش اللہ سے تھا اور ابلیس ہرگز ایسا بڑا سرکش نہ تھا کیونکہ اس کو حکم یہ تھا کہ تومعہ اور فرشتوں کے آدم کا سجدہ کر اور اسکی حجت یہ تھی کہ میں ایک مٹی کے پتلے کی جس کو خدا نے میرے سامنے بنایا ہے اور اس میں جان ڈالی ہے بندگی نہ کرونگا اور دلائل بیان کیں جو کہ تفسیر عزیزی سے پہلے نقل ہوئیں پس ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس بزرگی اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھتا تھا کہ اس کو سجدہ آدم برا معلوم ہوتا تھا اور اس کا غرور یقیناً ایسا سخت نہ تھا جیسے کہ سرکشی جبرئیل قرآنی کی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اہل علم وعقل انصاف فرمایں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ابلیس نے سرکشی کی اور جبرائیل نے سرکشی نہ کی ان سے فقط خطرہ سرکشی کا تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ ۔جبرئیل جبراً سرکشی سے بازرہے کہ ان پر بہت سے چوکیدار ہمیشہ مقرر تھے اور یہ کیا خوبی ہوئی۔ کیا فرق ہے ایک چور میں جس نے چوری کرلی اور دوسرے چور میں جو کہ ہمیشہ چوری کا طبعاً ارادہ رکھتا ہے لیکن بہ سبب چوکسی چوکیداروں کے اسکو تاکتے رہتے ہیں اور اپنی حوالات میں رکھتے ہیں وہ چوری نہ کرسکا۔ عقل ناقص میں یوں آتا ہے کہ دونو برابر چور ہیں بلکہ چور دوئم بڑھ کر ہے ۔یہاں سے موافق قرآن اور تفاسیر اور روائت حضرت ابن عباس کے اور موافق انصاف اور عقل کے ثابت ہوا کہ جبرائیل قرآنی جبرائیل مقدس ہرگز نہیں تھے بلکہ کوئی شخص بدعتی اور سرکش اہل کتاب سے تھا۔

دفعہ(12) تحقیق کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے قرآن میں فقط تین جائے نام جبرئیل لکھا ہے یعنی سورہ بقرہ کی آیت 91 اور 92 میں اور کہیں نام جبرئیل قرآن میں نہیں پایا جاتا ہے گو مفسرین لفظ رسول اور روح وغیرہ کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ اس سے جبرئیل مراد ہے تین مقامات مذکورہ میں سے فقط ایک مقام یعنی آیت 91 سورہ بقر میں بقید نام جبرئیل کے یہ لکھا ہے کہ اس نے بحکم خدا حضرت محمد کے دل پر قرآن نازل کیا لیکن اس مقام پر تفسیر بیضاوی میں لفظ جبرئیل کی بہت سے قرائتیں مختلف زبان کی ہیں اور ایک قراۃ شاذ جبرین لکھی ہے یعنی گبرین اور اس کے معنی زبان عبرانی یا زبان بابلی میں چند اشخاص مذکرہوتے یا ایک جماعت آدمیوں کی اور نہ فرشتوں جبرئیل کہ اس کے معنی آدمی اللہ کا یا بندہ اللہ کا ہوتے ہیں پس شبہ قوی ہوتا ہے کہ اصل میں اس آئت میں نام فرشتہ جبرئیل کا نہیں آیا کیونکہ اکثر جائے یہ لکھا ہے کہ نزول بذریعہ روح خدا اور روح پاک وغیرہ کے ہوتا ہے اور فقط ایک مقام قرآن میں یہ لکھا ہے کہ جبرئیل نے قرآن نازل کیا اور اس ایک مقام میں لفظ جبرئیل کے لئے ایک قراۃ جبرین نکلی کہ اس سے ہرگز فرشتہ جبرئیل مفہوم نہیں ہوسکتا جیسے کہ بیان ہوا پس معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت قرآنی میں کچھ الٹ پلٹ یا غلطی ہوگئی ہے اور کیا محال ہے کہ عبداللہ بن سعد کاتب قرآن نے یہ تحریف کی ہو کیونکہ اس کمبخت کی یہ عادت تھی جیسے کہ دفعہ(18) میں مفصل بیان ہوگا سوائے ازیں تفاسیر سے مثلاً تفسیر بیضاوی سے ظاہر ہے کہ قرآن کے الفاظ اور جملوں کی نسبت بہت اختلاف ہے کوئی ایک قراۃ پڑھتا ہے اور کوئی دوسری کوئی ایک لفظ زیادہ کرتا ہے اور کوئی کم اور ان اختلافات الفاظ سے معنی میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔

خلاصہ اس دفعہ کا یہ ہے کہ قرآن میں صاف نہیں لکھا کہ فرشتہ جبرئیل وحی قرآن لاتا تھا اور جب قرآن کا یہ حال ہے تو حدیث کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے۔

کتاب مشارق الانوار میں بہت معتبر احادیث بخاری اور مسلم سے ہیں اور ان میں یہ لکھا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اپنی سب سے پیاری اور نوجوان بیوی عائشہ سے کہا کرتے تھے کہ

حضرت جبرئیل تجھ کو سلام کرتے ہیں گو تو دیکھتی نہیں اور حضرت جبرئیل قبل تیری شادی کے تیری تصویر میرے پاس لائے تھے اور میں نے اسے دیکھا تھا اور حضرت جبرئیل انہیں اوقات میں بہت اکثر وحی قرآن لیکر آتے ہیں جب میں تیرے پاس سوتا ہوں یعنی ایسے اکثر وحی لے کر جبرئیل ان اوقات میں نہیں آتے جن میں اور بیویوں کے ساتھ ہوتا ہوں حضرت عائشہ کو اکثر اور بیویوں حضرت محمد ﷺ سے اور خصوصاً ماریہ قبطی سے بڑا حسد تھا چنانچہ سورہ تحریم اور تفاسیر سے ظاہر ہے اور عائشہ وغیرہ کے خوش کرنے اور جنگ وجدل خانگی سے باز رکھنے کے لئے حضرت محمد کوئی جھوٹی بات بھی کہہ دیتے تھے اور موافق مذہب اہل اسلام ایسے موقعوں پر جھوٹ بولنا گناہ نہیں اور تفسیر عزیزی میں اس مسئلہ کو مفصل بیان کیا ہے اور اسلئے قول سعدی کا گلستان میں یہ ہے " دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" خلاصہ یہ کہ فقط خوش کرنے عائشہ کے لئے حضرت محمد نے ناحق کہہ دیا ہوگا کہ جبرئیل نے یہ کہا اور وہ کہا جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ جبرئیل کبھی وحی لے کر حضرت محمد ﷺ کے پاس نہیں آئے۔

فصل چہارم

اس دین کے بیان میں جو جبرئیل قرآنی نے حضرت محمد ﷺ کو سکھلایا یعنی دین ابراہیم

دین ابراہیم کو حضرت محمد نے یوں بیان کیا کہ گویا چھپا بھید تھا اور وحی کے وسیلے ظاہر کیا گیا اور اسلئے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی دلیل ٹھہرایا گیا مگر واضح ہو کہ حضرت محمد کے دعویٰ نبوت سے پہلے کئی یہودیوں اور عیسائیوں نے وہ اعتقاد کیا ہوا تھا جس کو وہ دین ابراہیم کہتے تھے جو نہ یہودی تھا نہ نصاریٰ یعنی حینفا تھا۔ اور اپنے اعتقاد کو مذہب حنیفی کہتے تھے۔ یہ اس طریق کے موافق تھا جس کو اب ڈی ازم کہتے ہیں۔ اور اس فصل میں واضح کیا گیاہے کہ حضرت محمد نے حنیفی مذہب کا خیال اور علم کہاں سے پایا۔ اور جب اہل کتاب نے اس دین اور ابراہیم کا اگلی مقدس کتابوں میں موجود ہونا پیش کیا اور ان پر ایمان طلب کیا تو حضرت محمد کے وحی نے زیادہ تفتیش کو روکنے کے لئے یہ سکھلایا کہ تو یہ کہہ دے کہ ہم سب کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا پڑھنا منع کردیا چنانچہ اس کے مطابق آج تک محمدیوں میں یہ رواج ہے کہ اگلی کتابوں پر ایمان تو ظاہر کرتےہیں لیکن انکا اور قرآن کا مقابلہ نہیں کرتے اور حضرت محمد ﷺ کےاس کہنے کو مانے جاتےہیں کہ قرآن وحی آسمانی کا اتارا ہوا ہے۔ اس چالبازی ہی کو اس فصل میں فاش کیا گیا ہے۔

دفعہ (13) دفعات گذشتہ میں کئی مرتبہ آئتیں 27اور 28 سورہ جن کی نقل کی گئی ہیں اور یہ روایات اور تفاسیر سے ان کے معنی دریافت کئے گئے ہیں اور تحقیق کیا گیا ہے کہ جبرئیل مقدس ہر گز نہیں ہوسکتا ہے بلکہ وہ شخص بدتر ابلیس سے تھا اور کوئی آدمی سخت بدعتی اہل کتاب میں سے تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان آیات قرآنی میں نام جبرئیل کا پتہ ونشان بھی نہیں ہے اور نہ فرشتوں کا ذکر ہے۔ دفعہ گذشتہ میں ایک صفت اس شخص بدعتی کی بروائت ابن عباس مندرجہ تفسیر عزیزی سے یہ بیان کی گئی ہے کہ قصہ ہدائت ابراہیم کہ سورہ انعام میں مذکور ہے وہ شخص نہائت نفرت رکھتا تھا کیونکہ اس کی رائے اور مذہب کے موافق ابراہیم کبھی بت پرست وستارہ پرست نہ تھے بلکہ انہوں نے کبھی بطریق ضحک اور الزام کے بھی اپنی قوم مشرکین کے لوگوں سے یہ نہیں کہا کہ چاند یا آفتاب یا کوئی ستارہ میرا رب ہے۔خلاف اس کے گو یہ قصہ ہدایت ابراہیم کا بعینہ توریت وغیرہ میں مذکور نہیں ہے لیکن اس قدر کتب مقدسہ مثل کتاب حضرت یوشع باب 24 آیت 2و3 اور تفاسیر اور احادیث یہود ونصاریٰ سے ظاہر ہے کہ شروع میں قبل از ہدایت ابراہیم اپنے باپ دادا کے مذہب بت پرستی پر قائم تھے اور یہ قصہ بھی بعینہ یہودیوں کی کتاب تالمود مذکور ہے اور اس لئے اہل کتاب اس قصہ سے نفرت نہیں کرتے بلکہ اس کے مقصد اور مضمون کو حق جانتے تھے پس یہ اہل کتاب جو کہ حضرت محمد ﷺ سے ملاقات رکھتے تھے ان سے کہتے تھے کہ وہ شخص بدعتی یعنی جبرئیل قرآنی جو اس قصہ کے مضمون سے نفرت رکھتا ہے اور غلط جانتا ہے جھوٹا اور جاہل ہے۔ اے محمد تم اس قصہ کو بلاشبہ تسلیم کرلو پس یہ لوگ اہل کتاب چوکیدار تھے کہ انہوں نے وحی قرآن میں نقصان نہیں ہونے دیا یعنی اس قصہ ہدائت ابراہیم کو

قرآن سے خارج نہ ہونے دیا جیسے کہ یہ شخص بدعتی یعنی جبرئیل قرآنی چاہتا تھا جو کیدار مذکور آخر انسان تھے ان سے جو کسی کماحقہ نہیں ہوسکتی تھی اس جبرئیل قرآنی کو بہت موقع تھے کہ حضرت محمد کے پاس تخلیہ میں جاوے اور اپنی رائے کی باتیں اور مسئلے دینی سکھائے چنانچہ اور مقاموں قرآن میں تاکید اًلکھا ہے کہ حضرت ابراہیم مشرک نہ تھے اور اصل دین کل انبیاء کا دین وملت ابراہیمی تھا اور نہ یہودیت و نصرانیت پس مذہب ابراہیم ہی حق ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت 129 وغیرہ موافق ترجمہ مولوی عبدالقادر دہلوی کے یہ لکھا ہے "آیت 129: اور کہتے ہیں ہوجاؤ یہودی یا نصاریٰ تو راہ پر آؤ تو (اے محمد) کہہ نہیں بلکہ ہم نے پکڑی راہ ابراہیم کی جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا شرک والوں میں (یعنی بت پرست نہ تھا) آیت 130(تم اے مسلمانوں) کہو ہم نے یقین کیا اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور اترا ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسکی اولاد پر جور ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جوملا سب نبیوں کو اپنے رب سے ہم فرق نہیں کرتے ہیں ایک میں ان سب سے اور اس کے حکم پر ہیں۔

واضح ہو کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ مولوی عبدالقادر دہلوی نے جو ایک طرف کا تھا کیا ہے حنیفاً ہے اور اس سے وہ شخص مراد ہے جو کہ بت پرستی و شرک سے بالکلیہ جدا ہو کر فقط ایک خدا کے تابع ہو۔

سیرت واقدی اور کتاب ابن اسحاق میں کہ قریب دوسری صدی ہجری میں لکھی گئیں یہ مذکور ہے کہ بعض یہود و نصاریٰ زمانہ حضرت محمد ﷺ میں ملک شام میں ایسے تھے کہ وہ مذہب یہودیت و نصرانیت سے ناراض تھے اور مذہب عقلی یعنی مذہب حنفی کو بہت پسند کرتے تھے جیسے کہ بہت سے مسلمان وہند وغیرہ پائے جاتے ہیں کہ کہتے ہیں درست مذہب تو یہ ہے کہ ایک خدا کو بندگی کرے اور باقی جھگڑے اور فرق اور اختلاف لوگوں نے بنالئے ہیں۔

کتاب ابن اسحاق میں یہ لکھا ہے کہ ایک دن قریش لوگ اپنی سالانہ عید میں مصروف ہوئے اور گرد ایک کے اپنے بتوں میں سے جمع ہوئے) اور اس کی پوجا کی اور قربانیاں ذبح کیں اور اسکے گرد ہو کر اس کی پرکما کرتے لگے لیکن چار آدمی اسی قوم قریش کے تخلیہ میں علیحدہ رہے اور آپس میں کہا کہ آؤ ہم دوست ہوجاویں اور اپنی دلی باتیں ظاہر کریں اور یہ چار آدمی یہ تھے۔

ورقہ ایک چچازاد بھائی اول بیوی حضرت محمد ﷺ اور عبیداللہ بن جحش ایک قرابتی بھائی حضرت محمد کا کیونکہ اس کی ما اور میماہ حضرت محمد ﷺ کے باپ کی ہمشیرہ تھی ور عثمان بن حوادث اور زید خاندان عدیبی کا ایک نے باقیوں سے کہا واللہ دیکھو کہ ہماری قوم دین حق کو نہیں جانتی ہے انہوں نے دین ابراہیم کو خراب کیا ہے تم راہ حق پر نہیں ہو پس وہ علیحدہ ہوئے اور یہ تلاش دین حنیفی ابراہیم کے ملک میں سفر کرنے لگے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ورقہ نے دین عیسوی قبول کیا اور اس نے اہل کتاب سے کتب حاصل کیں اور ان سے بہت علم دینی حاصل کیا۔ عبیداللہ شبہ میں رہا جب تک اس نے دین محمد صاحب قبول کیا بعد اسکے وہ معہ اپنی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے جو کہ مسلمان ہو گئی تھی ملک حبش میں جا بسا اور وہاں دین عیسوی اختیار کیا اور اسی دین میں مر گیا بعد دین عیسوی اختیار کرنے کے جب وہ پاس تابعین حضرت محمد کے گذرتا تو کہا کرتا ہم دیکھتے ہیں اور تم دیکھنے کے لئے کوشش ہی کررہے ہو۔ حضرت محمد نے اس کی بیوی ام حبیبہ سے شادی کرلی ۔ پھر لکھا ہے کہ عثمان بن حوارث پاس قیصر روم کے گیا اور وہاں دین عیسوی قبول کیا اور قیصر روم اس سے بہت مہربانی سے پیش آیا لیکن دید جیسا تھا ویسا ہی رہا وہ نہ یہودی ہوا نہ نصرانی لیکن اس نے اپنی قوم کے مذہب کو ترک کیا اور بتوں کو نہ پوجتا تھا۔ واضح ہو کہ یہ زید اور تھا اور نہ وہ زید جو غلام اور بعدازاں متنبیٰ بیٹا حضرت محمد کا تھا نسبت زید متلاشی دین حق کے جس نے فیصلہ دینی نہیں کیا تھا جیسے کہ بیان ہوا۔ کتاب واقدی میں لکھا ہے کہ پانچ سال پہلے نبوت حضرت محمد کے وہ مر گیا اور پر لکھا ہے کہ زید بن عمر واسطے تحقیق کرنے اور قبول کرنے دین کے شام میں گیا ایک عالم یہودی سے ملا اور اس کا اعتقاد دریافت کیا اور کہا کہ شاید میں تیرا مذہب اختیار کروں۔ یہودی نے جواب دیا کہ ممکن نہیں کہ تو ہمارا دین اختیار کرے بغیر اس کے کہ تجھ پر ایک حصہ غضب اللہ کالد سے زید نے جواب دیا کہ نسبت غضب اللہ کے کسی اور شئے کو زیادہ دور نہیں رکھتا اور جب تک ممکن ہے میں اس کو اپنے اوپر نہ لدنے دونگا لیکن مجھ کو بتائیے کہ دین حق کیا ہے اگر وہ یہودیت نہیں ہے یہودی نے جواب دیا کہ اس سے بہتر میں نہیں جانتا مگر یہ کہ تو ایک حنیف ہوجا۔ زید نے پوچھا حنیف کیا ہے ؟یہودی نے جواب دیا کہ وہ دین ابراہیم ہے کہ وہ نہ یہودی تھا اور نہ نصاریٰ وہ سوائے اللہ کے کسی کی بندگی نہیں کرتا تھا۔

بعد اس کے زید ایک عالم نصاریٰ سے ملا اس سے بھی وہی سوال کیا اور وہی جواب پایا۔واضح ہو کہ یہ حال کتاب انگریزی ڈاکٹر سپر نگر صاحب سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب مذکور نے یہ حال کتاب ابن اسحاق اور واقدی سے ترجمہ کیا یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ بہ سبب جھگڑوں اور رسومات واعتقادات باطل کے جو کہ یہود و نصاریٰ عرب وشام اس زمانہ میں جاری کے گئے تھے بعض یہودو نصاریٰ بد اعتقاد ہوگئے تھے اور عقلی فیصلہ انہوں نے یہ کیا تھا کہ فقط ایک خدا کی بند گی کرنی چاہیے جیسا کہ ابراہیم کا مذہب تھا کہ وہ نہ یہودی تھا اور نہ نصاریٰ پس ان لوگوں بد اعتقادوں یہود و نصاریٰ نے بجائے اس کے کہ کتب مقدسہ توریت وانجیل کو بغور مطالعہ کرتے اور غلط باتوں عوام اس زمانہ کو دور کرتے اور مٹاتے اور حق کو دریافت کرکے اصلی دین عیسوی قبول کرتے کہ حضرت ابراہیم نے بھی اسی دین کے خلاصہ کو ہزاروں سال پہلے وحی خدا سے دریافت اور یقین کرلیا تھا اور حالات آئندہ مسیح کے نظر باطنی سے مشاہدہ کرکے خاطر جمع اور مسرور ہوتے تھے۔ان بد اعتقادوں اور کامل وجودوں نے محنت و کوشش و جستجو سے کنارہ کش ہو کر عقلاً یہ خلاصہ دین حق کا نکالا کہ ایک خدا کو مانو اور بس بعینہ جس طور سے بہت سے لوگ ہمارے ہم وطنوں مسلمانوں اور ہنود سے مختلف فرقوں اور بدعتوں اور لغو رسموں اور آپس کے جھگڑوں وغیرہ سے عاجز اور دق ہو کر اور تحقیق ہونے حق کو محنت و کوشش بشری سے غیر ممکن تصور کرکے اپنا مذہب عقلی یہ قرار دیتے ہیں کہ ایک خدا کو ماننا چاہیے اور باقی جھگڑا ہے اور یہی مذہب کل انبیاء واولیاء وفقراء وغیرہ ہر ملت کا تھا۔ اگر ایسے بد اعتقاد اور بدعتی اور کاہل وجود لوگوں سے کہا جائے کہ آپ توریت وانجیل اور قرآن اور کتب دینی مطالعہ فرمائیے اور دین حق کو دریافت کیجیے شاید کہ خدا کے فضل سے آپ راہ نجات قبول کریں اور عیسائی بن جائیں تو یہ لوگ ہرگز اس دعوت کو قبول نہیں کرتے ہیں اور توریت وانجیل کو نہیں لیتے تاکہ مطالعہ کریں لیکن وہ کہا کرتے ہیں ہمیں کچھ حاجت دین عیسوی کی نہیں ہے ہم ایک خدا کو مانتے ہیں اور یہ کافی ہے اور یہی مذہب کل انبیاء کا تھا اور ہم سب انبیاء اور ان کی کتابوں اور توریت وانجیل وزبور وغیرہ کو سچا جانتے ہیں لیکن تم لوگوں نے جھگڑے اور فساد کئے ہیں ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑا چاہتے ہیں ہم ایک خدا کو مانتے ہیں اور یہ مذہب قدیم سے ہے یعنی آدم کے وقت سے یہی حال اس شخص بدعتی یعنی جبرئیل قرآن کا تھا جس نے حضرت محمد ﷺ کو تعلیم کیا جیسے کہ بیان ہوا اور فعہ آئندہ میں اور بیان ہوتا ہے۔

دفعہ (14)خلاصہ آیات قرآنی 129 اور 130 سورہ بقرہ مذکورہ دفعہ گذشتہ کا یہ ہے کہ یہودی لوگ مدینہ وغیرہ کے حضرت محمد اور ان کے شاگردوں مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ اگر تم راہ مستقیم پر آنا چاہو تو تم یہودی بن جاؤ اور اسی طریق سے نصاریٰ مقام نجران وغیرہ کے کہتے تھے کہ اگر تم راہ حق اختیار کیا چاہتے ہو تم نصاریٰ بن جاؤ اور ظاہر ہے کہ اس دعوت کے ساتھ اہل کتاب نے کوئی کتاب بھی پیش کی ہوگی کہ اس کو مطالعہ کرکے حضرت محمد ﷺ اور ان کے شاگرد مسلمان یا یہود یا نصاریٰ بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا تھا کیونکہ تفسیر معالم میں شان نزول آیت یکصدوسی ام مذکورہ بالا کا موافق حدیث ابی ہریرہ کے یہ لکھا ہے قال کان اہل الکتاب یقراؤن التوریت بالعبرانیتہ وتفسیر ونہا باالعربیہ لاہل اسلام فقال رسول اللہ ﷺ لا تصد قو اہل الکتاب ولا تکذبوہم وقولی آمنا اللہ الایتہ ۔ ترجمہ: ابوہریرہ نے کہا کہ اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) توریت کو زبان عبرانی میں پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لئے اس کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے پس کہا رسول اللہ نے نہ تصدیق کرو اور اہل کتاب کی اور نہ جھٹلاؤ ان کو تم (اے مسلمانوں)کھو ہم نے یقین کیا اللہ پر جیسے کہ آیت میں یہ وہی امت یکصدوسی ام سورہ بقرہ کی ہے جو دفعہ گذشتہ میں مذکور ہوئی یعنی یہ تم (اے مسلمانوں) کو ہم نے یقین کیا اللہ پر اور جو اترا ہم پر (یعنی قرآن) اور جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اوراسکی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو(یعنی توریت) اور عیسیٰ کو (یعنی انجیل)اور جوملا سب نبیوں کو یعنی زبور اور صحف اشعیاء ویرمیاہ وحزقیل ودانیال اور انبیاء کے جو کہ بائبل یعنی کتاب مقدس میں داخل ہیں) اپنے رب سے ہم فرق نہیں کرتے ہیں ایک میں ان سب سے اور اس کے حکم پر ہیں۔ یہ تقریر حضرت محمد کی نہیں ہے بلکہ جبرئیل قرآن کی ہے حضرت محمد تو مثل نغیری کے تھے جیسا جبرئیل قرآنی تعلیم کرتا تھا ویسا بولتے تھے جب اہل کتاب نے اس نا کہ حضرت محمد یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان لوگ یہود و نصاریٰ نہ ہونگے بلکہ ہم نے ملت ابراہیم قبول کی ہے انہوں نے کہا بہت اچھا حال اورمذاہب ابراہیم کا توریت میں اور اس کی تفاسیر میں موجود ہے پس اس کا ترجمہ عربی لیجئے اور اس کو مطالعہ کرکے اس کے موافق چلئے اگر تم

صادق ہو لیکن بمثل مشہور چور کے پاؤں نہیں ہوتے اس وقت وہ شخص بدعتی یعنی جبرائیل قرآنی عاجز ہوا اور محمد صاحب اور ان کی معرفت اور مسلمانوں سے یہ بات نامعقول کہی کہ تم توریت کے ترجمہ عربی کو ہرگز نہ لو اور نہ اس کو مطالعہ کرو اور اہل کتاب سے نہ تو یہ کہو کہ تم جھوٹے ہو کیونکہ تمہارا ایمان یہ قائم ہوا ہے کہ سب انبیاء اور ان کی کتب برحق ہیں پس تم یہ گول مول اور مجمل اور مہمل جواب دو کہ ہم سب انبیاء اور ان کی کتب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم کسی میں فرق نہیں کرتے ہیں اور ہم اللہ کے حکم پر ہیں جیسے کہ آیت یکصدوسی ام سورہ بقر میں پہلے گذرا اور یہی قاعدہ اور دستور ان صوفیوں اور موحدوں اور حکمائے مذہب والوں اہل اسلام اور ہنود کا ہے جو کہ مختلف مذاہب کے فرقوں اور جھگڑوں سے دق ہو کر اور محنت ومشقت مطالعہ اور تحقیق سے بھاگ کر اور مدد الہیٰ سے مایوس ہو کر وہ سچے متلاشی تائید کرنے کے لئے تیار ہے اپنی طرف سے ایک خلاصہ دینی تجویز کرتے ہیں اور کوئی کتاب مثل قرآن وانجیل وتوریت وغیرہ ہرگز مطالعہ نہیں کرتے ہیں اور فقط اس خلاصہ دینی کتاب کو جو انہوں نے اپنی رائے کے موافق مختلف کتب سے چنکر بنالی ہے فقط اس کو مطالعہ کرتے ہیں گوزبانی عقیدہ ان کا یہ ہے کہ ہم کل انبیاء اولیاء فقراء کو برحق جانتے ہیں اور انکی کتب توریت وانجیل وقرآن وشاستر وویدوغیرہ کو کتب آسمانی جانتے ہیں اور وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ جمہور علماء نصاریٰ ومولوی لوگ اہل اسلام میں سے پنڈت لوگ ہنود میں اصلی معنی ومقصد وخلاصہ کتب سماوی مذکورہ کا نہیں جانتے ہیں اور وہ اکثر مکار اور دنیا کے لالچی ہیں اور عمل موافق احکام ان کتب کے نہیں کرتے ہیں اور اپنی طرف سے جھوٹی رسومات وعقائد وغیرہ بناتے ہیں اور آپس میں سر پھوڑتے ہیں ۔ یہی تقریر اس شخص بدعتی کی تھی یعنی جبرئیل قرآنی کی جس نے حضرت محمد کو تعلیم کیا جیسے کہ پہلے بیان ہوا اور اسی پر کل علماء اہل اسلام ہر زمانہ اور ہر ولائت کا شروع سے آج تک عمل ہے کہ وہ کتب مقدسہ توریت وانجیل کو کبھی مطالعہ نہیں کرتے ہیں اور اگر کسی سبب سے ان کے سامنے کوئی نسخہ ان کتب مقدسہ سے آگیا تو وہ اس کو اس نیت اور اعتقاد سے نہیں پڑھتے ہیں کہ جس نیت اور اعتقاد سے وہ قرآن کو پڑھتے ہیں یعنی وہ کتب مقدسہ توریت وانجیل کو شک وشبہ وبداعتقادی سے پڑھتے ہیں اور جب ان کو کوئی اہل کتاب سے بہت دق کرے اور اعتراضات قرآن پر قائم کرے تو وہ الزاماً توریت وانجیل پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کتب مقدسہ اصل نہیں بلکہ محرف اور مبدل ہیں لیکن ثقہ لوگ اہل اسلام سے اس کو قدیم سے برا جانتے ہیں اور ان کا دستور قدیم سے یہ ہے کہ نہ توریت وانجیل کی کہ یہود ونصاریٰ پاس ہیں تصدیق کرتے ہیں اور نہ ان کو جھوٹا کہتے ہیں اور یہ بلاشبہ کہتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ دونوں گمراہ اور کافر ہیں کہ قرآن کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور ہم لوگ اہل اسلام سب انبیاء اور ان کی کتب پر ایمان رکھتے ہیں۔

جب تفاسیر اہل اسلام مثل حسینی وبیضاوی ومعالم ومدارک وغیرہ پر نظر کرتے ہیں تو ان میں کوئی قول توریت وانجیل وغیرہ کی ان میں سندیں اور شہادتیں جابجا موجود ہیں مثلاً جہاں قرآن میں عیسیٰ مسیح کا ذکر ہے تو وہاں کی تفاسیر میں حدیثوں وغیرہ کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن حوالہ انجیل کا کہ نصاریٰ پاس ہے کوئی سند وشہادت نہیں بیان کی جاتی ہے اور زمانہ حال کے بعض ہندوستانی مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے واعظوں انجیلی وغیرہ سے کتب مقدسہ کے نسخے لیکر کچھ مطالعہ کیا ہے اور بعض قول اپنی کتب تفاسیر وغیرہ میں درج کئے ہیں جیسے کہ تفسیر عزیزی وغیرہ میں یا بعض صاحب مثل ہمارے کرم فرمائے صدر صدور غازی پور مولوی سید احمد خاں صاحب کے انہوں نے تفسیر توریت کے موافق قرآن وحدیث کے شروع کی ہے ان چند لوگوں مسلمانوں ہندی زمانہ حال کا کچھ اعتبار نہیں ہے لیکن اجماع اہل اسلام ہر دلائت اور ہر زمانہ کا آج تک دیکھا چاہیے کہ وہ بمطابقت ومتابعت قرآن وحدیث کے متفق اللفظ کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ توریت وانجیل وغیرہ کتب اللہ ہیں لیکن ان اہل اسلام کی کتب تفاسیر وغیرہ سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے توریت وانجیل وغیرہ کو کبھی دیکھا بھی نہیں ہے اور اگر کسی نے دیکھا ہو تو التفات اور اعتبار بالکلیہ نہیں کیا کہ ان سے شہادتیں اپنی کتابوں تفاسیر وغیرہ درج کرتے غرض یہ کہ اجماع اہل اسلام ہر زمانہ اور ہر دلائت نے اسی قول جبرئیل قرآنی کی متابعت کی جو کہ اس نے حضرت محمد سے کہلوایا یعنی اس کی لا تصد قواہل الکتاب والا تکذبوھم یعنی نہ تو تصدیق کرو اہل کتاب کی اور نہ جھٹلاؤ ان کو۔

قرآن اور تفاسیر اور حدیث سے ظاہر ہے کہ بعض یہود ونصاریٰ حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہوگئے تھے مثلاً عبداللہ بن سلام کہ ایک خواندہ یہودی تھا اور مسلمان فارسی کہ ایک

خواندہ نصرانی تھا پس ظاہر ہے کہ ان پاس اور اورصدہا اہل کتاب پاس کہ مسلمان ہوگئے تھے نسخے توریت وانجیل موجودہونگے اور وہ ان کو پڑھتے ہونگے چنانچہ سورہ انعام آیت 20 یہ ہے ۔ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءهُمُ جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس کو پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو ۔ اس کی تفسیر بیضاوی یہ کرتا ہے کہ یعرفون رسول اللہ بحیلتہ المذکورۃ فی التوریت ولاانجیل ترجمہ: پہچانتے ہیں رسول اللہ کو ساتھ اس کے حلیہ کے مذکور ہے توریت اور انجیل میں۔

یہی بات سورہ بقرہ کی آیت یکصدوچہل میں مذکور ہے اور اسپر مفسرین بیضاوی اور حسینی وغیرہ لکھتے ہیں کہ عمر نے یہودی مسلمان عبداللہ بن سلام سے درباب تصدیق اس قول قرآنی کے سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ ہم حضرت محمد ﷺ کو بیٹے سے زیادہ پہچانتے ہیں پس ظاہر ہے کہ یہودو نصاریٰ کے پاس جو مسلمان ہوئے کتب توریت وانجیل ضرور تھیں کہ ان کو مطالعہ کرکے انہوں نے حلیہ حضرت محمد ﷺ کا دریافت کرلیا اور یہ سوال دیگر ہے کہ ان یہودیوں اور نصاریٰ نے آیات توریت وانجیل کے معنی صحیح سمجھے یاغلط اس کی بحث کسی اور کتاب میں ہوگی اس جائے توامر تحقیق یہ ہے کہ جب کتب مقدسہ توریت وانجیل ان یہودو نصاریٰ پاس موجود تھیں جو کہ حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور ان کے اصحاب میں سے تھے اور جب یہ کتب سماویہ ایسی مددگار اور تقویت دینے والی ایمان کل مسلمانوں کی ہوئیں کہ ان میں اس قدر اخبار حضرت محمد کے مندرج ہیں کہ آنحضرت کا حلیہ ان سے پیدا ہوسکتا ہے پھر کیا باعث تھاکہ جبرئیل قرآنی نے زبانی حضرت محمد کے منع کردیا کہ تم توریت کے عربی ترجمہ کو نہ لو اور نہ پڑھو اور اہل کتاب کوجویہ کتاب اللہ پیش کرتے ہیں نہ سچا کہو نہ جھوٹا ۔ یہودی لوگ جو مسلمان ہوئے تھے اغلباً اصلی زبان عبرانی جانتے تھے سوائے اس کے ایک حدیث مشکوٰۃ میں لکھاہے کہ ایک مسلمان نے یہودیوں کی زبان پندرہ روز کے عرصہ میں سیکھ لی تاکہ خط وکتاب حضرت محمد کی طرف سے یہودیوں سے کرے اور اس کا تعجب نہیں کیونکہ عربی اور عبرانی زبان آپس میں بہت قریب ہیں پس اگر کوئی غلطی ترجمہ عربی میں کہ اہل کتاب نے مسلمانوں کے واسطے کیا تھا ہوتی تو اس کو وہ اہل کتاب جو مسلمان ہوگئے تھے درست کرلیتے اور اس طریق سے توریت وانجیل مثل قرآن وکتب وحدیث کے اہل اسلام ہر زمانہ اور ہر ملک میں آج تک مروج ہوتیں اور یہ بالکلیہ لغو ہے کہ توریت وانجیل قرآن سے منسوخ ہیں اس واسطے ان کا مطالعہ کرنا اہل اسلام کو منع ہوا کیونکہ فروعات شرعیہ ورسومات منسوخ ہوسکتے ہیں اور نہ اصول دین اور قصے وحالات اور سوائے اس کے بہت سی آئیتیں قرآن اور حدیثیں منسوخ ہیں اور پھر بھی وہ پڑھی جاتی ہیں پس کوئی اور باعث منع کرنے مطالعہ کتب مقدسہ کا اہل اسلام کو نہیں معلوم ہوتا ہے الاوہ کہ جو اوپر بیان ہوا یعنی یہ کہ جبرئیل قرآنی ایک سخت بدعتی تھا اور اپنی رائے کے موافق ایک نیا دین خلاصہ دین عیسوی ویہودی کا بنایا اور حضرت محمد ﷺ سے بے بنیاد دعویٰ کراتا تھا اور دستور ہے کہ چور روشنی سے بھاگتا ہے اور تاریکی کو پسند کرتا ہے اسی طرح وہ نور توریت وانجیل سے ڈرتا تھا اور حضرت محمد اور ،اور مسلمانوں کو مطالعہ توریت وانجیل سے منع کرتا تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک اہل اسلام توریت وانجیل سے ایسے ناواقف اور غافل بلکہ مخالف ہیں جیسے کہ ہنود تائید مضمون اس دفعہ کی دفعہ آئندہ سے اور ہوتی ہے اس کو بھی بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔

دفعہ (15) مشکوٰۃ میں ایک حدیث ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر ایک نسخہ توریت لائے اور اس کو سامنے حضرت محمد ﷺ کے پڑھنے لگے اس پر حضرت محمد ﷺ بہت ناراض ہوئے چنانچہ مظاہر الحق کی کتاب الایمان میں حدیث مذکور ہے اور وہ یہ ہے :

روایت ہے جابر سے تحقیق حضرت عمر ابن الخطاب لائے پاس رسول خدا صلعم کے نسخہ توریت کا پس کہا اے رسول خدا کے یہ ہے نسخہ توریت کا پس چپ رہے حضرت (محمد صاحب) پس شروع کیا حضرت عمر نے پڑھنا اور چہرہ رسول خدا کا متغیر نہ ہوتا تھا پس کہا حضرت ابوبکر نے عمر کو گم کیجو تجھ کو گم کرنے والیاں کیا نہیں دیکھتا تو اس چیز کو کہ بیچ چہرہ رسول خدا صلعم کے ہے پس دیکھا حضرت عمر نے طرف چہرہ حضرت کے پس کہا پناہ پکڑتا ہوں میں ساتھ اللہ کے غضب سے اور غضب رسول اس کے سے راضی ہوئے ہم ساتھ اللہ کے رب ہونے پر اور ساتھ اسلام کے دین ہونے پر اور ساتھ حضرت ﷺ کے نبی ہونے پر پس فرمایا رسول خدا ﷺ نے قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جان محمد کی بیچ ہاتھ اس کے ہے اگر ظاہر ہوتے واسطے تمہارے موسیٰ پس پیروی کرتے تم ان

اور چھوڑدیتے تم مجھ کو البتہ گمراہ ہوتے تم سیدھی راہ سے اور اگر ہوتا موسیٰ زندہ اور پاتا نبوت میری البتہ پیروی کرتا میری۔

روائت کی یہ دارمی نے ف (قول مولوی عبد الحق دہلوی صاحب مظاہر الحق) جملہ ثکلتک الثوکل دعا ہے واسطے موت کے لیکن اہل عرب نے اپنے محاورہ میں اصل معنی اس کے مراد نہیں رکھتے بلکہ مقام تعجب میں بولتے ہیں گویا تو یہ بات نہیں سمجھتا اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب اور سنت کو چھوڑ کر انکے غیر کی طرف رجوع نہ کرے کتابوں یہود و نصاریٰ اور حکماء اور فلاسفہ سے۔ دفعہ گذشتہ میں بیان ہوا ہے کہ اہل کتاب حضرت محمد ﷺ اور ، اور مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ اگر تم ہدائت پایا چاہتے ہو تو تم یہود و نصاریٰ بن جاؤ اس کا جواب بزبانی حضرت محمد کے جبرائیل قرآنی نے یہ دیا کہ نہیں ہم نے تومذہب ابراہیم اختیار کیا ہے کہ بت پرست نہ تھا اور بعد اس کے اہل کتاب نے توریت کا کہ اس میں اور اسکی تفاسیر میں حال مذہب ابراہیم کا ہے عربی میں ترجمہ کرکے مسلمانوں کو پیش کیا کہ اسی کو پڑھو تا کہ حال مذہب ابراہیم کا تم کو سچ سچ معلوم ہو تو اس کا جواب بزبانی حضرت محمد اسی جبرئیل قرآنی نے یہ دیا کہ اے مسلمانوں نہ تو تم اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور ان سے توریت لے کر ہرگز مطالعہ نہ کرو بلکہ یوں کہدو کہ ہم خدا پر اور سب انبیاء اور ان کی کتب پر ایمان لائے ہیں۔ شبہ نہیں کہ عمر اس حکم کو بھول گئے انہوں نے خیال کیا کہ موافق قرآن کے توریت کتاب اللہ ہے اور اسکی بڑی تعریف ہے اور کہا ہے کہ اس میں اخبار اور صفات حضرت محمد کے اس قدر مذکور ہیں کہ ان کا بالکلیہ مرتب ہوسکتا ہے اور یہودی عالم عبداللہ بن سلام نے کہ مسلمان ہو گیا تھا موافق توریت کے کہا ہے کہ نسبت اپنے بیٹوں کے ہم حضرت محمد کو زیادہ رپہچانتے ہیں ضرور توریت کا مطالعہ کرنا چاہیے اور حضرت محمد کو سنانا چاہیے کہ اس سے وہ بہت خوش ہونگے چنانچہ عمر نے ایسا ہی کیا ایک نسخہ توریت کا جو کہ اہل کتاب نے اہل اسلام کے لئے عربی میں ترجمہ کیا تھا لے لیا اور جھٹ پٹ حضرت محمد کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت خوشی اور فخر سے عرض کیا کہ یارسول خدا یہ نسخہ توریت ہے اور اس کو بلااجازت حضرت محمد کے ان کے سامنے پڑھنے لگے لیکن اس فعل کے باعث سے کہ عقلاً و نقلاً لائق تحسین وآفرین تھا عمر سورد عتاب حضرت محمد کے ہوئے اور اسی وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور یاد

کیا کہ مذہب حضرت محمد موافق تعلیم جبرئیل قرآنی کے مذہب اسلام یعنی مذہب حنیفی ابراہیم کا ہے کہ وہ خلاصہ مذہب کل انبیاء سلف کا ہے اور اسکے موافق یہ توفرض ہے کہ ہم مسلمان لوگ سب انبیاء سلف کی کتابوں مثل توریت وانجیل وغیرہ کو کتب آسمانی ایمان قلبی سے کہیں لیکن یہ منع ہے کہ ان کتب مقدسہ کو لے کر مطالعہ کریں ۔ پس عمر نے توبہ کی اور دین اسلام کا اقرار کیا جیسے کے حدیث مذکورہ بالامیں موجود ہے۔اس پر حضرت محمد نے موافق تعلیم جبرائیل قرآنی کے خدا کی قسم کھا کر یہ کہا کہ اے مسلمانوں عمر وغیرہ کو مطالعہ کرنے سے توریت کا میل رکھتے ہو تم مذہب اسلام کو بخوبی نہیں سمجھے اور اس واسطے تم ایسے نادان ہو کہ اگر بفرض محال موسیٰ یہ توریت لے کر تم کو وعظ کرتا تو تم یقیناً یہودی بن جاتے اور مجھ کو ترک کرتے یعنی دین اسلام سے پھر جاتے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر موسیٰ آج تک زندہ ہوتا اور میری نبوت یعنی ماہیت دین اسلام کی پالیتا تو وہ بلا شبہ میرے تابع ہوتا یعنی مسلمان ہوجاتا اور یہودیت کو ترک کرتا ظاہر ہے کہ حضرت محمد نے اس جائے ایک اشارہ بھی اس طرف نہیں کیا کہ یہ توریت جو عمر لائے تھے محرف اور غیر معتبر ہے جیسے کہ صدہا سال بعد اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے اعتراضات سے عاجز ہو کر ناواقف اور کم علم اہل اسلام نے کہنا شروع کیا ظاہر ہے کہ بالکلیہ خلاف قول جہلاء اہل اسلام کے حضرت محمد نے اس امر کی شہادت دی کہ یہ توریت اصل وہی توریت تھی جو کہ حضرت موسیٰ پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی کیونکہ لفظ توریت کا چھوڑ کر نام موسیٰ کا بیان کیا پس یہاں سے وہی بات ثابت ہوئی جو کہ دفعات گذشتہ میں ثابت ہوچکی ہے یعنی یہ کہ جبرئیل قرآنی کوئی سخت بدعتی اور کاہل وجود اور جاہل شخص اہل کتاب سے تھا کہ مختلف فرقوں اور مذاہب یہود و نصاریٰ سے عاجز اور دق ہو کر اس نے اپنی عقل کے موافق ایک خلاصہ ان مذاہب کا تجویز کیا اور اس کا نام مذہب وملت ابراہیم رکھا کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ اول شخص تھے جن سے شروع ہوئی اور کل انبیاء بنی اسرائیل ان کی اولاد سے ہوئے اور انہی کی لونڈی حاجرہ سے اسماعیل پیدا ہوئے اور اسماعیل کی اولاد میں بہت سے اہل عرب تھے ۔ پس جب یہ نیا مذہب اسلام موافق عقل انسانی کے ایک خلاصہ دین یہود و نصاریٰ کا ہوا تو محال کہ موجد اس مذہب کا یعنی جبرئیل قرآنی اجازت استعمال اور مطالعہ کتب مقدسہ توریت وانجیل وغیرہ کے اہل اسلام کو دیوے سوائے اس کے کہ وہ زبانی کہہ دیا کریں کہ ہم

ایمان رکھتے ہیں کل انبیاء اور انکی کتب پر اور یہی دستور کل ان لوگوں کا ہے جو اپنے لئے ایک خلاصہ مذہب کا اپنی عقل سے تجویز کرتے ہیں بہت سے موحد اور صوفی اور حکمائے مذہب والے اہل اسلام اور ہنود وغیرہ میں ایسے ہیں کہ ان پاس کتابیں ہیں کچھ قرآن وحدیث سے اور کچھ سعدی اور حافظ اور مولانا روم وغیرہ سے اور کچھ وید شاستر سے ان میں مندرج ہے پس وہ فقط اس خلاصہ کو مطالعہ کرتے ہیں اور زبان سے کہا کرتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ محمد اور موسیٰ اور عیسیٰ رسول خدا تھے اور انکی کتابیں قرآن اور توریت اور انجیل کتب آسمانی ہیں لیکن اگر ان سے یہ کہا جائے کہ اگر تم ہدائت چاہتے ہو تو تم مسلمان یا یہود یا نصاریٰ بن جاؤ تو وہ کہتے ہیں نہیں بلکہ ہم مذہب قدیم یعنی آدم کا مذہب رکھتے ہیں اور یہودی ونصرانی ومسلمان تو پیچھے ہوئے اور اگر ان سے کہا جائے کہ توریت کو مطالعہ فرمائیے کہ اس میں حال آدم اور اس کے مذہب کا ہے تو وہ اس کو قبول نہیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سب انبیاء اور انکی کتابوں کومانتے ہیں اور سب انبیاء کے مذاہب کا خلاصہ وہی مذہب ہے جو ہمارا ہے اور تم سب مسلمان اور یہود اور نصاریٰ بھولے ہوئے اور اصل بات کو نہیں سمجھتے اور فرقے اور جھگڑے آپس میں پیدا کرتے ہو تم مسلمان شیعہ وسنی وغیرہ اور نصاریٰ ویہودی وغیرہ سب کے سب کتب آسمانی کا مطالعہ کرتے ہو اور پھر ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر کہتے ہو پس تمہارے مذاہب پر کچھ اعتبار نہیں ہوسکتا ہے مرزا دارالشکوہ بیٹے شاہجہان نے ایک کتاب مجمع البحرین لکھی ہے اور اس میں آیات قرآنی اور احادیث اور اشعار سعدی اور مقامات وید شاستر وغیرہ درج ہیں اور ان سب میں سے اپنا مذہب صوفی ثابت کرتا ہے کہ وہ بالکلیہ خلاف قرآن ہے اور پھر بھی ایمان اس کا یہ ہے کہ قرآن وتوریت وانجیل اور وید وغیرہ کلام خدا ہیں اور جو اہل اسلام وغیرہ میں سے اس کے خلاف مذہب رکھتے ہیں وہ قرآن وغیرہ کو نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے اور ایسی مثالیں بہت ہیں ۔

خلاصہ اس دفعہ کا یہ ہے کہ فرقوں اور مذاہب اور جھگڑوں اور بدعتوں یہودو نصاریٰ سے عاجز اور دق ہوکر حامل صبر اور مشقت تحقیق کا نہ ہوکر اور فضل الہیٰ سے مایوس ہوکر جبرئیل قرآنی نے ایک نیا مذہب خلاصہ مذاہب یہود ونصاریٰ وغیرہ کا اپنی عقل سے تجویز کیا اور حضرت محمد کواس مذہبِ اسلام میں تعلیم کیا جیسا کہ بیان ہوا اور دفعہ آئندہ میں اور بیان ہوتا ہے۔

دفعہ (16) سورہ بقرہ کی آیت 111 اور 112 یہ ہیں وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَن كَانَ هُوداً أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ ترجمہ: اور کہتے ہیں ہر گز نہ جائے جنت میں مگر جو ہونگے یہود یا نصاریٰ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے کہ (اے محمد) لاؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو۔ کیوں نہیں (داخل ہوگا جنت میں وہ شخص جو گو نہ یہودی ہے اور نہ نصاریٰ لیکن) جس نے تابع کیا منہ اپنا اللہ کی (طرف) اور وہ نیکی پر ہے اسی کو مزدوری اس کی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم ۔(مولوی عبدالقادر دہلوی)

اگر یہود ونصار مثل متعصب برہمنوں کے یہ کہتے کہ کوئی غیر مذہب کا آدمی ہمارے مذہب میں نہیں آسکتا ہے اور ہم لوگ ہی فقط جنت میں جاویں گے اور باقی مذہب والے دوزخ میں جاویں گے تو بلاشبہ جواب قرآنی مذکورہ بالا بہت مناسب اور کافی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ رحیم اور منصف ہے اور اس سے بعید ہے کہ یہودیت ونصرانیت کو فقط طریقہ حاصل ہونے جنت کا مقرر فرماوے اور پھر حکم کرے کہ اور مذہب والے یہود یا نصاریٰ نہیں بن سکتے اور اس طریق سے سب اور مذہب والوں کو جنت سے جبراً وقہراً محروم رکھے لیکن یہود ونصاریٰ ایسالغو دعویٰ نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم یہود یا نصاریٰ بن جاؤ نہیں تو تم جنت سے محروم ہوگے جیسے دفعات (13) اور (14) میں قرآن سے نقل ہوا پس اس صورت میں جواب قرآنی مذکورہ بالا محض غلط ہوا کیونکہ یہود نصاریٰ کہتے تھے کہ جب تک حضرت محمد ﷺ اور ، اور مسلمان یہودی ونصاریٰ نہ بنیں اس وقت تک انہوں نے دل ونیت خالص سے اپنا منہ خدا کی طرف نہیں قائم کیا بلکہ طرفداری اور دنیا کی محبت کہ بت پرستی ہے ان میں قائم ہے اور اگر کچھ نیکی وغیرہ کی بھی تو وہ بھی خدا کی نگاہ میں ہیچ ہے کیونکہ خدا نے راہ سعادت ونجات فقط یہودیت یا نصرانیت کو مقرر کیا ہے اور جو شخص سینہ زوری سے اس راہ کو قبول نہ کرے وہ شخص اللہ تعالیٰ کے احسان عظیم کو رد کرتا ہے اور خدا سے باغی ہے وہ جنت میں ہر گز داخل نہیں ہوسکتا ہے چنانچہ قرآن میں بھی مذکور ہے کہ سوائے اسلام کے اور مذہب درگاہ الہیٰ میں منظور ومقبول نہ ہوگا۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ مراد جواب قرآنی کی کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند کی طرف بدل متوجہ ہونا اور نیک

رفتار رکھنا اصل دین اسلام ہے اور یہی خلاصہ تعلیم کل انبیاء سلف کا ہے پس جو کوئی اس دین اسلام پر چلیگا وہ بلاشبہ جنت میں داخل ہوگا اور یہ قول یہود و نصاریٰ کا بالکلیہ غلط ہے کہ جب تک آدمی یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کرے اس وقت تک وہ اس قابل نہ ہوگا کہ عاقبت میں جنت حاصل کرے کیونکہ فرقے ومذاہب یہودیت و نصرانیت لوگوں نے اپنی طرف سے بنالئے ہیں اور موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ نے توریت وانجیل میں یہ مذاہب نہیں سکھائے بلکہ کل انبیاء نے اصلی دین ابراہیم یعنی دین اسلام تعلیم کیا ہے اور اس سے یہود و نصاریٰ پھر گئے ہیں اور وہ توریت وانجیل کو نہیں سمجھتے ہیں اور اسکی وجہ ظاہر ہے یعنی یہ کہ باوصف پڑھنے کتب آسمانی توریت وانجیل کونہیں سمجھتے ہیں اور اسکی وجہ ظاہر ہے یعنی یہ کہ باوصف پڑھنے کتب آسمانی توریت وانجیل کے وہ ایک دوسرے کو بالکلیہ گمراہ کہتے ہیں جیسے کہ آئت آئندہ 113 میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے :

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَىَ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُواْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ترجمہ(مولوی عبدالقادر)اور یہود نے کہا نہیں نصاریٰ کچھ اور راہ پر اور کہا نصاریٰ نے یہود نہیں کچھ راہ پر وہ سب پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا ان لوگوں نے (یعنی مشرکین وغیرہ نے جو اہل کتاب نہ تھے) جن پاس علم نہیں انہی کی سی (یعنی یہود و نصاریٰ کی سی) بات اب اللہ حکم کریگا (یعنی فیصلہ کرے گا) ان میں دن قیامت کے جس بات میں جھگڑتے تھے ۔ شان نزول اس آیت کا بیضاوی یہ لکھتا ہے نزلت لما قدم وفد نجران علی رسول ﷺ اخبار الیھود فتنا ظر واد تقاولوا بذلک ترجمہ: یہ آئت نازل ہوئی جب پہلے آپہنچے رسول ﷺ پاس ایلچی نجران کے اور ملنے انکو علماء یہود پس آپس میں مباحثہ کرنے لگے اور یہ تقریر کرنے لگے یعنی ایک دوسرے کو گمراہ کہنے لگے ۔ صاحب تفسیر حسینی اسی آیت کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ یہود از توریت میدانند کہ نصاریٰ بجہتہ اثبات زن وفرزند مرحق را بر باطل اندو ترسایاں اور انجیل میخوانند کہ یہود بجہتہ انکار عیسیٰ عم وانجیل کافرو بیجا صلند ۔ ترجمہ: یہود توریت سے جانتے تھے کہ بہ سبب ثابت کرنے بیوی اور بیٹا حق تعالیٰ کے لئے نصاریٰ باطل پر ہیں اور نصاریٰ انجیل میں پڑھتے تھے کہ بہ سبب انکار عیسیٰ اور انجیل کے یہود کافر اور بیجا صل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہود چاہتے تھے کہ حضرت محمد مذہب یہودی اختیار کریں اور نصاریٰ ی یہ چاہتے تھے کہ محمد صاحب دین عیسویٰ اختیار کریں پس ان آرزوں سے ان دونوں مذہب کے علماء حضرت محمد کے پاس آتے تھے اور عیاں ہے کہ ہر واحد فریقین میں سے یہ کہتا تھا کہ جب تک آدمی ہمارا مذہب اختیار نہ کرے وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا یعنی اس کی نجات نہیں ہوسکتی ہے اور اس طریق سے سامنے حضرت محمد ﷺ کے یہود و نصاریٰ میں مباحثہ سخت ہوا۔ پس یہ مشاہدہ کرکے حضرت محمد ﷺ حیران ہوئے اور موافق تعلیم جبرائیل قرآنی کے کہنے لگے دیکھو تو یہ دونوں فرقے کتب آسمانی پڑھتے ہیں اور پھر بھی آپس میں اس قدر اختلاف کرتے ہیں پس یہ دونوں باطل پر ہیں چنانچہ بیضاوی اس مقدمہ میں لکھتا ہے اے قالوذالک وہم من اہل العلم والکتاب ترجمہ: یعنی انہوں نے یہ کہا اور وہ اہل علم اور کتاب سے ہیں (یعنی یہود و نصاریٰ باوصف اہل علم و کتاب ہونے کے ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ تم کچھ راہ پر نہیں یہ بڑے تعجب کی بات ہے)۔اور معالم میں یہ لکھا ہے کہ قیل معناہ لیس فی کتبھم ہذا الاختلاف فدل تلاوتھم الکتاب ومخالفتھم مافیہ علی کونھم علی الباطل ترجمہ: کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں۔ نہیں ہے انکی کتاب (توریت وانجیل) میں یہ اختلاف پس انکا پڑھنا کتاب اور (پھر بھی) ان کا مخالفت کرنا نسبت اس کے جو اس (کتاب) میں ہے ۔ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ (دونوں) باطل پر ہیں۔

یہ طریقہ کل لامذہبوں اور بیدینوں کا ہے کہ شیعوں اور سنیوں اور مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ کوآپس میں جھگڑتے ہوئے مشاہدہ کرکے یہ قیاس کرتے ہیں کہ یہ سب فرقے باطل پر ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ قرآن وانجیل وغیرہ کو مطالعہ کریں اور تحقیق کماحقہ کریں اور خدا سے مدد مانگیں تاکہ دین حق معلوم ہو۔ آئت قرآنی مذکورہ بالا یعنی (آئت 105 سورہ بقرہ مذکور ہے کہ اے اہل کتاب تم جو دعویٰ کرتے ہو کہ کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا الایہود یا نصاریٰ تم اس دعویٰ کو سند پیش کرو اگر تم صادق ہو پس چونکہ محمد صاحب توریت وانجیل کو کتب آسمانی مانتے تھے تو ظاہر ہے کہ یہودو نصاریٰ ان کتب مقدسہ سے کونسی اور بڑی سند پیش کرسکتے تھے لیکن موافق تعلیم جبرائیل قرآنی دین اسلام ہی حق تھا اور وہی خلاصہ تعلیم کا انبیاء سلف کا تھا اور فقط یہی فرض تھا کہ زبانی ایمان توریت وانجیل پر بیان کیا جائے اور نہ یہ کہ ان کا مطالعہ کریں تو کوئی جواب حضرت محمد کی طرف سے نہیں ہوسکتا تھا الا یہ کہ تم یہود و نصاریٰ کتاب آسمانی پڑھتے ہو اور پھر بھی آپس

میں اختلاف عظیم کرتے ہو پس تحقیق ہوا تم دونوں باطل پر ہو اور تمہارا دعویٰ جھوٹ ہے اور حق فقط یہ ہے کہ جو کوئی خدا واحد کی بندگی کرے وہ بلاشبہ جنتی ہو گا اور یہی دین اسلام ہے۔

فصل پنجم

اس بیان میں کہ کس معنے سے قرآن ایک معجزہ ہے

اس فصل میں اس بات کا بیان ہے کہ حضرت محمد نے مشرکین عرب کے سامنے جو قرآن کو ایک معجزہ کہا تو کس غرض سے کہا تھا یعنی قرآن کو ایک معجزہ کہنے میں بنفسہ کیا خصوصیت تھی اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ خصوصیت بلحاظ عربی عبارت کے نہ تھی بلکہ بلحاظ مضامین کے تھی اور ویسے مضامین کوئی بت پرست قوم نہیں بنا سکتی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ نے اگلی کتابوں میں ظاہر کئے تھے نہ کہ انسان نے اور چونکہ قرآن ان سچے اور الہامی مضامین کو شامل کرتا ہے اس لئے ممکن نہ تھا کہ مشرکین عرب قرآن جیسے مضامین بنا سکیں۔ اور اس یقین کے اعتبار پر قرآن کو ایک معجزہ قرار دیا مگر اہل کتاب کے سامنے نہیں۔ یاد رہے کہ اس طور سے اپنے تئیں وحی کیا گیا بتلانا دیانتداری سے بعید تھا۔ جبکہ اگلی کتابوں کے اعتبار پر قرآن کو بے مثل کہا تھا تو اپنے وحی آسمانی کو کیوں درمیان لائے تھے ؟ اہل کتاب کے نزدیک یہ امر ہر گز روا نہیں ہوسکتا۔

دفعہ (17) قرآن کو بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قرآن کو معجزہ بیان کیا ہے یعنی دعویٰ کیا ہے کہ اسکی مثل کوئی کتاب بلکہ اس کی ایک سورہ کی مثل ایک سورہ بھی کوئی آدمی اور جنّ وغیرہ سوائے خدا کے نہیں بنا سکتا وہاں ہمیشہ مخاطبت طرف مشرکین مکہ یا کل عرب کے ہے اور واضح ہو کہ ذکر جنوں کا اس واسطے کیا ہے کہ مشرکین عرب ان شیاطین کو بڑا وسیلہ امور دینی میں سمجھتے تھے۔ خلاف اس کے جہاں مخاطبت طرف اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ہے وہاں فقط یہ دلیل بیان کی ہے کہ قرآن مصدق اس کے ہے جو ان پاس ہے یعنی توریت وانجیل وغیرہ اور مشرکین کو بھی اس تصدیق اور مطابقت کی طرف رجوع کیا ہے لیکن مشرکین نے یہ کہا کہ کتب مقدسہ سابقہ معہ قرآن کے سب جھوٹی کہانیاں متقدمین کی ہیں چنانچہ سورہ قصص میں ان جاہلوں نے یہ کہا کہ ہم نہ تو توریت کو مانتے ہیں اور نہ قرآن کو یہ دونوں جھوٹ ہیں ایک نے دوسرے سے مضامین اخذ کئے ہیں ۔ اس پر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم مشرکین کو قدرت ہو تو کوئی ایسی کتاب بنا کے لاؤ جو ان دونوں کتابوں سے بہتر ہو پس مراد حضرت محمد ﷺ کی یہ نہیں تھی کہ مشرکین عرب باعتبار فصاحت و بلاغت کے کوئی کتاب مثل قرآن بنا کے لاویں کیونکہ اگر یہ دعویٰ ہوتا تو وہ صاف لکھا ہوتا اور علاوہ ازیں مشرکین عرب سے یہ کہنا کہ کوئی کتاب برابر فصاحت اور بلاغت توریت کے پیدا کرو بے محل اور نامعقول تھا کیونکہ قرآن عربی زبان میں تھا اور توریت عبرانی زبان میں تھی اور اہل عرب کو دعویٰ فصاحت کا اپنی زبان میں تھا۔ غیر زبان میں اور سوائے اس کے توریت میں یہ دعویٰ ہر گز نہیں کہ سوائے خدا کے کوئی شخص ایسے فصیح عبارت عبرانی نہیں لکھ سکتا ہے جیسے کہ توریت کی عبارت ہے پس حضرت محمد ﷺ کی فقط یہ مراد تھی کہ بغیر علم اور ایمان کتب اللہ سابقہ کے فقط اپنی عقل سے کوئی آدمی کوئی کتاب ایسی نہیں بنا سکتا ہے کہ اس کے مضامین مثل قرآن کے ہوں کیونکہ قرآن میں وحدانیت خدا اور گناہ شرک اور قصص انبیاء مذکور ہیں اور خدا کے کلام سے ہیں یعنی توریت وانجیل سے فی الحقیقت فقط مشرکین عرب نہیں بلکہ مشرکین ساری دنیا کے ایک کتاب مثل قرآن کے نہیں بنا سکتے لیکن اہل کتاب یہود و نصاریٰ کتاب مثل قرآن بنا سکتے تھے اور بنا سکتے ہیں اور یہ بذریعہ علم و ایمان توریت وانجیل کے کہ کلام اللہ ہیں پس ان کا ایسی کتاب بنانا گویا نقل کرنا کلام اللہ کا ہے اور یہ معنی ہوئے کہ اصل میں خدا نے وہ کتاب بنائی اور نہ آدمیوں یہود و نصاریٰ نے پس اس معنی سے حضرت محمد دعویٰ کرتے تھے کہ سوائے خدا کے کوئی شخص ایک اور کتاب مثل قرآن کے نہیں بنا سکتا ہے اور یہ بلاشبہ ایک معجزہ حضرت محمد کا واسطے مشرکین کے تھا اور ہے ۔ کل مشرکین ہر زمانہ اور ہر دلائت کے اس معجزہ قرآن سے عاجز تھے اور عاجز ہیں۔ ایک مثال اس بیان کی یہ ہے فرض کرو کہ کوئی پنڈت برہمن ایسا ہے کہ اس کو سارے وید اور شاستر حفظ ہیں لیکن اس نے کبھی صحبت اہل اسلام و نصاریٰ و یہود نہیں کی اور قرآن وانجیل و توریت وغیرہ سے بالکلیہ ناواقف ہے اور ان کتب کے خیالات اور مطالب سے ذرا بھی مس نہیں رکھتا پس ایسے پنڈت سے کوئی کتاب مثل قرآن زبان

ہندی میں ہر گز نہیں بن سکتی ہے وہ ہر گز نہیں لکھ سکتا ہے کہ شرک و بت پرستی ایک گناہ عظیم ہے اور لائق جہنم ہے اور فقط ایک خدا لائق عبادت اور تعظیم کے ہے اور بیا بیجی اور بششٹ جی اور بینوں اور رکھیوں نے زبانوں مختلفہ میں بھی وعظ کیا ہے ۔ غرض یہ کہ پنڈت موصوف اس قبیل کی کتاب ہر گز نہیں لکھ سکتا ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں تو وید وشاستر میں موجود ہیں اور نہ کسی ہندو کے دل میں کبھی آئیں جس کو کچھ بھی مس دین یہود و نصاریٰ واہل اسلام سے نہیں ہوا ہنود پر موقوف نہیں بلکہ اہل یونان ومصروفارس وچین وغیرہ کل مشرکین دنیا جو پہلے دین عیسوی اور محمدی کے بت پرست وستارہ پرست وغیرہ تھے یا اب تک باقی ہیں ان سب سے غیر ممکن تھا اور غیر ممکن ہے کہ وہ کوئی کتاب مثل قرآن بناسکتے یا بناسکتے ہیں البتہ مشرکین متقدمین اور متاخرین میں حکماء ہوئے ہیں کہ انہوں نے کچھ ذات الہیٰ میں تحقیقات کی ہے لیکن کسی نے یہ نہیں کہا اور وعظ کرنیکا تو کیا ذکر ہے کہ شرک و بت پرستی ایک گناہ ہے اور لائق جہنم ہے کسی نہ بہت کہا تو یہ کہا کہ یہ بت پرستی وشرک نتیجہ نادانی کا ہے اور عوام نادانوں کو یہی شغل عبادات اور طاعات کا مناسب ہے اور سوائے ازیں حکماء مشرکیں نے بہت سے ناخدا پرستی کے مسئلے ایجاد کئے ہیں مثلاً یہ قول کہ عالم قدیم ہے ان کل حکماء میں مشترک ہے اور پھر بہت سے حکماء کا مذہب ہمہ اوست ہوا ہے کہ اس کو تصوف اور ویدانت کہتے ہیں اور موافق ویدانت کے کوئی شئے موجود نہیں سوائے ایک ذات کے باقی کل عالم ایک مجموعہ توہمات باطلہ کا ہے نہ کوئی خالق ہے اور نہ مخلوق نہ کوئی مالک ہے اور نہ مملوک نہ نیکی ہے اور نہ برائی نہ سزا ہے اور نہ جزا نہ میں ہوں اور نہ تو اور نہ وہ وغیرہ ۔ یہ سب خیالات بے اصل مثل خواب کے ہیں اور خالق اس عالم باطل کا جہل ہے اور قدیم ہے اور اس جہل میں انسان مثل حیوانوں مطلق کے گرفتار ہیں۔

دفعہ (18) سوائے وجوہات مذکورہ دفعہ گذشتہ کی ایک اور دلیل دفعہ حال میں بیان ہوتی ہے کہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ محمد صاحب کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ باعتبار فصاحت عبارت کے قرآن ایک معجزہ ہے سورہ انعام کی آئت 93 میں یہ لکھا ہے : وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوْحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ ترجمہ: اور کون ظالم زیادہ تر اس سے جو افترا کرے اللہ پر ایک جھوٹ یا کہے وحی کی گئی طرف میرے اور ہر گز نہیں وحی کی گئی طرف اس کے کچھ۔

مفسرین مثل بیضاوی وغیرہ نسبت جملہ اول آئت بالا کے یہ لکھتے ہیں کہ اس جائے اشارہ کی طرف مسیلمہ وغیرہ کے ہے کہ انہوں نے زمانہ حضرت محمد میں جھوٹ موٹ دعویٰ نبی ہونیکا کیا تھا۔ جملہ دویم کی نسبت قاضی بیضاوی یہ لکھتا ہے کہ کعبد اللہ بن سعد ابی سرح کان مکتب الرسول اللہ فلما نزلت ولقد خلقنہ الانسان من سلالۃ من طین فلما ابلغ قولہ ثم انشاء ناخلقا آخر قال عبداللہ تبارک اللہ احسن تعجبتاً من تفصیل خلق الانسا فقال عم اکتبھا فکذلک نزلت فشک عبداللہ وقال لین کان محمد صادقا لقد اوحی الی کما اوحی الیہ ولین کان کاذبالقد قلت کما قال یعنی: جیسے کہ عبداللہ سورابی سرح جو لکھتا تھا (قرآن) واسطے رسول اللہ کے پس نازل ہوئی (عبارت آئندہ قرآن سے ہے یعنی آئیتں دوازدھم وسیزدھم وچہار سورہ مومنین کی) اور ہم نے بنایا ہے کہ آدمی چکنی مٹی سے پس جب پہنچا یہاں تک) پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں۔ کہا عبداللہ نے سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر خالق ہے تعجب کرکے فضیلت پیدائش انسان سے پس کہا حضرت محمد نے لکھ اس کو پس ایسا ہی نازل ہوا ہے (یعنی جو بات عبداللہ نے اور کہا اگر تھا محمد صادق تحقیق وحی کی گئی طرف میرے جیسے کہ وحی کی گئی طرف اس کے (یعنی جو بات محمد صاحب کو وحی سے ملی سو مجھے بھی ملی ہے پس مجھے بھی وحی ہوئی) اور اگر محمد جھوٹا ہے تحقیق میں نے کہا جیسے کہ اس نے کہا صاحب تفسیر حسینی نے بھی یہی قصہ عبداللہ کا لکھا ہے اور یہ کہ وہ مرتد ہو گیا یعنی اسلام ترک کرکے پھر بت پرست ہو گیا اور تفسیر عالم میں بھی یہی لکھا ہے اور سوائے یہ مذکور ہے وکان اذا املی علیہ سمیعا بصیر کتب علیما احکیما واذقال علیما حکیما کتب غفورا رحیما۔ یعنی جب بتایا جاتا اس کو سننے والا دیکھنے والا وہ لکھتا علم والا او رحکیم اور جب کہا علم والا حکمت والا وہ لکھتا ہے غفور رحیم یہاں سے معلوم ہوا کہ عبداللہ نے تحریف معنوی اور لفظی قرآن کی محمد صاحب کے زمانہ میں کی کیا معلوم ہے کہ سوائے تحریفوں مذکورہ بالا کے اور کیا کیا خرابیاں عبداللہ نے قرآن میں کی ہونگی اور قرآن مروجہ زمانہ حال ملک ہند کا کسی قدر مختلف اصل قرآن کے ہے سوائے مذکورہ بالا کے تاریخ ابوالفدا میں کہ

اس کا ترجمہ اردو مدرسہ سرکاری دہلی میں مولوی کریم الدین صاحب نے کیا اور منشی اشرف علی کے اہتمام سے طبع ہوا حال آئندہ عبداللہ کا مرقوم ہے:

اور اس عبداللہ کا مذکورہ یہ حال ہے کہ یہ شخص قبل از فتح مکہ مسلمان ہوچکا تھا وحی لکھا کرتا تھا مگر اس کمبخت کو دہت تھی کہ قرآن شریف کو مبدل کیا کرتا تھا پھر مرتد ہوگیا تھا اس واسطے حضرت نے اس کا خون ہدر کیا تھا یعنی حکم قتل دیا تھا لیکن پھر مسلمان ہوگیا تھا۔

جو کچھ قصہ عبداللہ بن سعد ابی سرح کا یہاں تک بیان ہوا اس سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ حضرت محمد کے وہم وگمان میں یہ امر نہیں تھا کہ باعتبار فصاحت اور بلاغت کے قرآن ایک معجزہ تھا کیونکہ اگر یہ خیال حضرت محمد کا ہوتا تو وہ ہر گز یہ نہ کہتے کہ جو جملہ عبارت عربی کا ایک انسان نے یعنی ان کے کاتب نے اپنی طبعیت سے تصنیف کرلیا وحی جملہ عبارت عربی کا کا اللہ تعالیٰ کی تصنیف سے نازل ہوا اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی آدمی ایک جملہ عبارت عربی کا اس قدر فصاحت کا بناسکتا ہے کہ وہ مثل ہو اسی مقدار کے جملہ عبارت قرآنی کے اور جب ایک جملہ ایسی عبارت فصیح قرآنی کا کسی آدمی سے بنایا جاسکتا ہے تو کیا محال ہے کہ کوئی آدمی ایسے ایسے جملے فصیح عبارت قرآنی کے دو یا تین یا دس یا ہزار بناسکے یعنی کوئی آدمی مثل قرآن کی سورتوں کے ایک یا دو یا دس یا زیادہ سورہ تصنیف کرسکتا ہے اور واضح ہو کہ آخر میں قرآن مروجہ کے بعض ایسی چھوٹی سورہ ہیں کہ جیسا جملہ عبارت عربی کا عبداللہ بن سعد ابی سرح نے اپنی طبعیت سے بے اختیار یعنی بلاغور پڑھ دیا ویسے ویسے تین یا چار جملوں سے ایک سورہ قرآن بن سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب دعویٰ فصاحت عبارت کا کیا جائے تو جائز ہے کہ چھوٹی چھوٹی سورہ کے امتحان کرنے سے فیصلہ ہوسکتا ہے خلاف اس کے جب دعویٰ نسبت مضامین قرآن کے ہے یعنی نسبت وحدانیت خدا اور گناہ شرک اور وعظ تدریس انبیاء وغیرہ کے ہے اس وقت بڑی سورتوں کو امتحان کرکے فیصلہ کرنا چاہیے کہ ان میں مضامین مذکورہ مفصل بیان ہیں گو حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی سورتوں قرآن میں بھی یہ مضامین وحدانیت وغیرہ کے پائے جاتے ہیں اور انکی مثل بھی مشرکین مکہ کوئی سورہ نہیں بناسکتے تھے کیونکہ وہ لوگ شرک اور بت پرستی میں غرق تھے ان کے ناپاک دلوں میں خیالات وحدانیت خدا اور گناہ شرک وغیرہ کے کیونکر آسکتے تھے لیکن چونکہ عبداللہ مسلمان ہوگیا تھا اور اس نے بہت آیات قرآنی نقل کی تھیں تو اس کی زبان سے ایک جملہ خدا کی تعریف میں جاری ہوا چنانچہ علماء اسلام نے بتائید قرآن اور احادیث محمدی کے بیشمار کتب درباب وحدانیت خدا اور گناہ شرک وغیرہ کے لکھی ہیں اور ان کی مثل تو نہ تو مشرکین عرب اور نہ کوئی اور قوموں مشرک سے کوئی کتاب لکھ سکتے تھے یا لکھ سکتے ہیں لیکن یہ علماء اہل اسلام مثل عبداللہ کے دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم پر ویسی ہی وحی نازل ہوتی ہے جیسے کہ حضرت محمد پر نازل ہوتی تھی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ملکہ ان کو بذریعہ قرآن حاصل ہوا پس برابری محمد صاحب کی کرنا عین نا احسانمندی اور بے انصافی ہے پس اس معنی سے دعویٰ عبداللہ کا غلط تھا۔

دفعہ (19) قصہ عبداللہ سے ظاہر ہے کہ حضرت محمد نے بعد سننے قول عبداللہ کے یہ فرمایا کہ یہی قول خدا کی طرف سے میرے دل پر نازل ہوا اور اس کو بھی تو قرآن میں درج کر دریافت کرنا چاہیے کہ کس باعث سے حضرت محمد نے ایسا کلام کیا۔ اگر قول عبداللہ کا کہ تعریف اور بزرگی خدا میں تھا حضرت محمد کو پسند آیا تھا تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اے عبداللہ یہ قول بسبب ہدائت خدا کے تیری زبان سے جاری ہوا اور نہ یہ کہ یہی قول خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کو قرآن میں درج کردے اگر یہ کہا جائے کہ اتفاقاً ایسا ہوا یعنی جب یہ قول عبداللہ نے کہا اسی وقت اتفاقاً یہی قول نازل بھی ہوا اور حضرت محمد نے فرمایا کہ اس قول کو بھی قرآن میں درج کر تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر موافق مذہب اسلام کے قرآن عین کلام خدا کا ہے اور اس میں کچھ بھی انسانی اور ملکی ملاوٹ نہیں ہے جیسا کہ دفعات 8 اور 9 وغیرہ میں مذکور ہوا تو محال تھا کہ اللہ تعالیٰ وہی قول نازل کرتا جو کہ تعجباً ایک آدمی کی زبان سے جاری ہوا اور حضرت محمد نے اس سے سن لیا کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد اقوال آدمیوں کے سن کر نقل کرتے ہیں اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ وحی خدا سے ہے پس قرآن پر کیا اعتبار رہا کہ وہ کلام اللہ ہے اگر ایک قول عبداللہ کا سن کر دعویٰ کیا کہ یہ وحی خدا ہے تو کیا جانے کتنے اقوال یہود ونصاریٰ سے سن کر محمد صاحب نے کہدیا ہوگا کہ یہ سارے قول خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں غرض یہ کہ اگر مذہب اہل اسلام کا کہ قرآن لفظاً لفظاً خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے درست ہے تو لازم آتا ہے کہ حضرت محمد نے جھوٹ بولا جب انہوں نے قول عبداللہ کا سن کر کہہ دیا کہ یہ قول خدا کی طرف سے بھی

نازل ہوا اور اگر حضرت محمد جھوٹے نہیں توضروری یہ مذہب اہل اسلام کا نسبت وحی قرآن کے غلط ہوا اوریہی درست معلوم ہوتا ہے اور کیفیت وحی قرآن کی یہ قائم ہوتی ہے کہ حضرت محمد کا اعتقاد تھا کہ روح اللہ میری تائید کرتا ہے اور جو دین کی بات کہ اپنی عقل سے نکلی ہو یا کسی اور سے سنی ہو دل پسند اور موثر قلب معلوم ہوتی ہو یقیناً اس دین کی بات کی تعلیم روح اللہ نے کی اور اس معنی سے وہ بات خدا کی طرف سے نازل ہوئی اور یہ امر کہ حضرت محمد کو اعتقاد تائید روح خدا کا تھا قرآن سے ظاہر ہے چنانچہ سوعہ مجادلہ آئت 22 میں یہ لکھا ہے کہ تو نہ پاویگا کوئی لوگ جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر (قیامت پر) دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہوں اللہ کے اور اسکے رسول کے اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے ان کے دلوں میں لکھ دیا ہے ایمان اور ان کی مدد کی اپنے غیب کے فیض سے۔

آخر جملہ اس آئت کی یہ مراد ہے سچے مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ اپنے غیب کے فیض سے مدد کرتا ہے اور اصل عربی عبارت اس جملہ کی قرآن میں یہ ہے کہ وایدھم بروح منہ یعنی اورمدد کی ان کی اپنی روح سے ۔ اور اسکی تفسیر بیضاوی یہ کرتاہے کہ اے من عبداللہ وھور نور القلب او القرآن او نصر علی عد یعنی پاس سے اللہ کےاور وہ نور دل کا ہے یا قرآن یا مدد خلاف دشمنوں کے ۔ جب موافق اس آیت کے اہل اسلام کو یہ اعتقاد ہوا کہ سچے مسلمانوں کو روح خدا سے نور دل کا حاصل ہوتا ہے اور ان کو ایمان اور علم حقیقی قرآن کا ملتا ہے توظاہر ہے کہ محمد صاحب کو اعتقاد ضرور ہوگا کہ مجھ کو یہ نور قلبی روح اللہ سے بدرجہ کمال حاصل ہے کیونکہ میں اپنی قوم مشرکین کے لئے واعظ اور ڈرانے والاخدا کے فضل سے مقرر ہوا ہوں پس موافق اس اعتقاد کے جو قول دینی حضرت محمد سنتے تھے اور ان کے دل کو پسند یدہ معلوم ہوتا تھا اس قول کو وہ روح خدا کی طرف سے سمجھتے تھے یعنی نازل کیا ہوا خدا کا جانتے تھے پس وہ قول ایک آئت یا سورہ قرآنی یقیناً ہوا چنانچہ اسی طریق سے قول عبداللہ بن سعد ابی سرح کا ایک جملہ آیت قرآنی کا ہو گیا۔

تتمہ

اس بیان میں کہ موافق قرآن اور حدیث کے یہ عقیدہ محمدیوں کا کہ فصاحت قرآن ایک معجزہ ہے باطل ہے۔

گذشتہ فصل میں اس بات کا ذکر ہوا کہ کس غرض سے حضرت محمد نے قرآن کو ایک معجزہ کہا تھا اب اس تتمہ میں اس بات کا بیان ہے کہ محمدیوں کا خیال ہے کہ فصاحت قرآن ایک معجزہ ہے قرآن اور حدیث کی رو سے باطل ہے ۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ جب لوگوں نے حضرت محمد سے معجزے طلب کئے جیسے کہ انبیاء سابقین سے کرتے تھے توآپ نے اپنے تئیں ایک نبی باکرامت مثل انبیاء سابقین کے نہ جتایا بلکہ فقط ایک معمولی واعظ بتلایا جیسے اہل کتاب کے پادری اور واعظ ہوتے ہیں جن کی واعظ کتب الہامیہ پر مبنی ہونیکی وجہ سے سچی اور بے مثل ہوتی ہے حتی کہ بت پرست لوگ ویسی تعلیم نہیں دے سکتے ۔اور ایسے واعظوں کو معجزے دکھلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور پھر حضرت محمد کے مبداء معلومات کا مکرر ذکر کرکے اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ دعویٰ نبوت سے پہلے کیونکر متلاشی دین ہوئے تھے اور اہل عرب کی بت پرستی سے نفرت پیدا ہوئی اور توحید کا اعتبار آیا اور آرزو پیدا ہوئی کہ توحید اور قصص انبیاء اور امورات آئندہ کے واعظ بنیں اور واضح کیا گیا ہے کہ مثل نصاریٰ کے واعظ بننے کی پہلی تحریک عکاظہ کے میلوں میں ایک پادری قس نامے کے وعظ اور نمونہ سے ہوئی تھی۔ اس پادری او راسکی وعظ کو حضرت محمد اپنی رسالت کے دنوں میں بھی یاد کیا کرتے تھے اور آپ کی عمر بیس برس کی تھی جب اس پادری کی باتیں سنی تھیں اور نبوت کا دعویٰ چالیس برس کی عمر میں کیا تھا۔ ایسا ہی واعظ حضرت محمد نے بھی بنایا تھا۔ دعویٰ وحی ایک غلطی ہے ۔

سورہ رعد کی آئت 8 یہ ہے وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُواْ لَوْلآ أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ترجمہ: اورکہتے ہیں کافر کیوں نہ نازل ہوئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے تو تو

منذر یعنی وعظ کرنے والا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے۔ مراد اس آیت سے یہ ہے کہ جو لوگ کافر بت پرست مکہ کے تھے وہ حضرت محمد ﷺ سے کہتے ہیں کہ اے محمد تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں رسول خدا ہوں پس تجھ کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہ عطا ہوا تاکہ صداقت تیرے دعویٰ کی ہو چنانچہ تفسیر معالم میں نسبت نشانی کے یہ لکھا ہے۔ اے علامت وحجت علی نبوت یعنی علامت اور حجت حضرت محمد کے نبی ہونے کی۔ اس سوال کا جواب حضرت محمد نے یہ دلوایا ہے کہ اے محمد تو کہہ میں فقط ایک منذر یعنی وعظ کرنے والا ہوں تاکہ تم کو خبردار کروں کہ اگر تم راہ مستقیم خدا کا نہ قبول کرو گے تو تم عاقبت میں بڑی سزا پاؤ گے چنانچہ اس دنیا میں ہر قوم کے لئے ایک ہادی اور تعلیم کرنے والا ہوا ہے یعنی میرا کام معجزے کرنا نہیں ہے میں تو فقط ایک واعظ ہوں چنانچہ قاضی بیضاوی جواب محمد ﷺ کی یہ تفسیر کرتا ہے کہ وما علیکہ لاالایتان بما لقح بہ نبوتکہ من جنس المعجزات بما یقترح علیکہ نبی مخصوص بمعجزات من جنس ہوا الغالب علیہم یہدیہم الی الحق ویدعوہم الی الصواب یعنی اے محمد تو کہہ تیرے اوپر کچھ اور فرض نہیں سوائے اس کے کہ تو اس قسم کا معجزہ بہم پہنچائے جس سے تیری نبوت کی صحت ہو اور نہ وہ معجزے جو علی التوکلی تجھ سے مانگے جائیں۔

ہر نبی اس قسم کے معجزے سے مخصوص ہوتا ہے جو غالب ہو ان لوگوں پر جن کو وہ حق کی طرف ہدائت کرتا ہے اور صواب کی طرف دعوت کرتا ہے۔ مراد بیضاوی کی یہ ہے کہ گو ظاہرا آیت بالا سے کل معجزات کا انکار معلوم ہوتا ہے لیکن یوں نہیں ہے بلکہ انکار ان معجزوں کا ہے جو کفار طلب کرتے تھے اور وہ یہ تھے لخوما ادتی موسیٰ وعیسیٰ عم یعنی مثل ان کے جو عطا ہوئے موسیٰ اور عیسیٰ عم کو اور پھر بیضاوی اشارہ اس طرف کرتا ہے کہ حضرت محمد کو وہ معجزہ عطا ہوا تھا جو قوم عرب پر موثر ہو یعنی فصاحت زبان عربی قرآن چنانچہ تفسیر حسینی میں یہ امر صاف لکھا ہے جیسے آگے نقل ہوتا ہے۔ دمیگوئند آنانکہ کافر شدند چرا فرستادہ نمیشود بر محمد نشانہ از پروردگار او یعنی معجزہ کہ ما طلبیم چوں عصاء موسیٰ واحیائے عیسیٰ عم حق تعالیٰ میفرماند جزایں نیست کو تو ہیم کنندہ یعنی فرستادہ شد برائے بیم کردن بر تو ہمیں بلاغ است وبس ترا در اظہار آیات چہ اختیار مر ہر گروسے را را نمائندہ است یعنی پیغمبر ے کہ مخصوص باشد بمعجزہ درصورت آنچہ غالب بود برقوم او چوں سحر در زمان موسیٰ وعیسیٰ عم کہ شما می طلبید اختصاص بزماں ایشاں داشتہ وچوں فصاحت برشما غالب است قوی ترین معجزہ من قرآن است ترجمہ: اور وہ جو کافر ہوئے کہتے ہیں کہ محمد پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں ارسال ہوتی ہے یعنی معجزہ جو ہم طلب کرتے ہیں مثل معجزوں عصائے موسیٰ کے اور معجزوں زندہ کرنے مردوں عیسیٰ عم کے پس حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ خوف دلائے یعنی تو خوف دلانے کو ارسال ہوا ہے تجھ پر یہی کام فرض ہے پس تجھ کو معجزوں کے ظاہر کرنے میں کیا اختیار ہے۔ تحقیق ہر گروہ کے لئے ایک راہ دکھلانے والا ہے یعنی ایک پیغمبر کہ مخصوص ہوتا ہے اس طرح کے معجزہ سے جو کہ اس کی قوم پر غالب ہوتا ہے چنانچہ سحر موسیٰ کے زمانہ میں اور طب عیسیٰ کے وقت میں پس معجزہ موسیٰ وعیسیٰ جو تم طلب کرتے ہو ان کے زمانہ سے خصوصیت رکھتے ہیں اور چونکہ فصاحت تم پر غالب ہے قوی تر میرا معجزہ قرآن ہے۔ اگر غور اور انصاف سے آئت بالا کے مضمون پر نظر کی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مراد حضرت محمد کی یہ ہے کہ میں ایک رسول مثل موسیٰ اور عیسیٰ کے نہیں ہوں کہ ان کو معجزات واضح عطا ہوئے تھے میں تو فقط ایک واعظ اور تعلیم کنندہ ہوں اور یہ بات نئی نہیں ہے کیونکہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے پس میں اپنی قوم عرب کا اور خصوصاً اہل مکہ کا ہادی ہوا مقرر ہوا ہوں البتہ اور مقاموں قرآن میں قرآن کو بھی بمقابلہ مشرکوں مکہ کے بطور ایک معجزہ کے بیان کیا ہے لیکن یہ جو مفسرین کہتے ہیں کہ فصاحت قرآن ایک معجزہ ہے اس قول مفسرین کے لئے سند قرآن سے بلکہ ان احادیث سے بھی جن کو وہ نہایت معتبر سمجھتے ہیں ان کو حاصل نہیں ہے یہ انکی فقط رائے بے سند ہے اور کل محققین کے نزدیک ایسی رائے قابل اعتبار کے ہرگز نہیں ہوتی ہے غرض یہ کہ قرآن کو جو قرآن میں بطور معجزہ کے بمقابلہ مشرکوں مکہ کے بیان کیا ہے اس کی مراد کچھ اور ہے اور نہ فصاحت جیسے کہ بیان ہو گا۔

دفعہ (2) سورہ عنکبوت آئت 50 اور 51 میں یوں مرقوم ہے: وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ
أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ کیوں نہ نازل ہوئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے تو کہہ نشانیاں

تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو نذیر یعنی واعظ ہوں واضح۔ کیاان کے لئے کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے بیشک اس میں یعنی اس کتاب قرآن میں رحمت اور نصیحت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاویں۔ اس مقام قرآن سے صاف ظاہر ہے کہ محمد صاحب جو اب میں کفار مشرکین مکہ کے جو معجزے طلب کرتے تھے یہ کہتے تھے کہ معجزہ میرے اختیار میں نہیں ہے اس کا اختیار خدا کو ہے فقط واعظ ہوں اور دیکھو کہ اس قرآن میں کیسی رحمت اور نصیحت کی باتیں درج ہیں اگر تم کو خوف خدا ہو اور تم کو توفیق ایمان حاصل ہو تو تم کو فقط یہ قرآن کافی ہے اور کسی معجزہ کی حاجت نہیں کیونکہ اس قرآن میں معجزات واضح اور تعلیمات پاکیزہ انبیاء سلف کے درج ہیں پس اس قرآن میں دلائل عقلی اور نقلی دونوں موجود ہیں خلاف اس کے تمہاری توہمات شرک وبت پرستی کے لئے کوئی وجہ نہیں پس قرآن تمہارے لئے معجزہ کافی ہے البتہ یہ شرط ہے کہ تم خوف خدا اور ایمان عاقبت رکھتے ہو کیونکہ بغیر اس کے کل معجزات لاحاصل ہیں۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ اگر فصاحت قرآن کوئی معجزہ وہم وگمان میں حضرت محمد ﷺ کے ہوتا تو آیات قرآنی مذکورہ بالامیں اس کا بیان ہوتا لیکن یہ فقط رائے مفسرین اہل اسلام کی ہے اور نہ محمد صاحب کی اور تردید اس رائے کی آیتوں بالامیں قطعی کی گئی کیونکہ جب کفار نے حضرت محمد سے معجزہ طلب کیا تو یہ عین موقع تھا کہ بیان کیا جاتا کہ فصاحت قرآن ایک معجزہ ہے لیکن یہ نہیں کہا گیا بلکہ یہ ظاہر کیا گیا کہ مضامین قرآن معجزہ کافی ہیں جیسے بیان ہوچکا۔ بیضاوی اور حسینی میں مذکور ہے کہ کفار نے حضرت محمد سے معجزے مثل معجزوں اونٹنی صالح اور عصائے موسیٰ اور مائدہ عیسیٰ کے طلب کئے تھے اور معالم میں یہ لکھاہے کما انزل علی الانبیاء یعنی مثل ان معجزوں کے جو انبیاء سلف پر نازل ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ کفار قریش یہ کہتے تھے کہ اے محمد تو جو دعویٰ رسالت مثل انبیاء سلف کے کرتاہے کہ مثل ان کے تو کوئی معجزہ بھی ظاہر کرے تاکہ صداقت تیرے دعویٰ کی ہو اس کے جواب میں یہ کہتے تھے کہ میں تو سوائے واعظ ہونیکے کچھ اور نہیں ہوں معجزے خدا کے اختیار میں میرا کام سوائے واعظ کے کچھ اور نہیں ہے جیسے کے بیضاوی لکھتاہے لیس من شافی الا الانذر۔ اور مجھے ایک معجزہ بھی ملاہے اور ہے قرآن چنانچہ نسبت اس قول قرآنی کے کہ کیا یہ نزول قرآن معجزہ کافی نہیں ہے بیضاوی میں یہ ہے کہ آئیہ مغنیتاً بما اقترحوہ یعنی معجزہ قائم مقام اس کے جو کفار طلب کرتے تھے اور پھر نسبت معجزہ قرآن کے یہ لکھاہے تدوم تلاوتہ علیہم متحدین بہ فلایزال معھم آیتہ ثانتہ لا تضمحل بخلاف سائر الایات یعنی دائم تلاوت کی جاتی ہے قرآن کی ایمانداروں کے سامنے کہ اس قرآن سے متحد ہیں پس ان کے پاس سے معجزہ ثبوت قرآن کا زائل نہیں ہوتا ہے اور بخلاف اور کل معجزوں کے وہ معجزہ قرآن غائب نہیں ہوجاتا ہے۔ یہ معجزہ دائمی ہر کتاب آسمانی کے لئے حاصل ہے مثل توریت اور زبور اور انجیل وغیرہ کے اور اسی معجزہ کی قدرت سے ہم نصاریٰ کے قسیس اور واعظ وعظ کرتے ہیں اور اگر کوئی مخالفین میں سے ان سے معجزہ طلب کرے وہ انہی کتابوں کے مضامین کی طرف اور لغویات شرک وکفر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہی دلیل محمد صاحب کی تھی چنانچہ معالم میں نسبت جواب حضرت محمد ﷺ کے کہ کیا ان کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا یہ لکھاہے ہذا جواب لقولھم لولا انزل علیہ آیتہ من ربہ قال اولم یکتفھم اے اولم یکفھم من الایات القرآن تیلی علیہم یعنی یہ جواب ہے کفار کے قول کا کہ کیوں نہیں نازل ہوئی اس پر کوئی نشانی یعنی معجزہ اس کے رب سے کہا کیا کافی نہیں ہے اس کے لئے یعنی کیا کافی نہیں ہے ان کے لئے آئتیں قرآن کی کہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ پھر اس جملہ قرآنی کے بیشک اس کتاب قرآن میں رحمت اور نصیحت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لاتے ہیں یہ لکھا ہے ای تذکروا عظمتہ لن امن وعمل بہ یعنی نصیحت اور وعظ ہے اس کے لئے جو ایمان لائے اور اس پر عمل کرے اور یہی تعریف اور معجزہ توریت اور انجیل کا قرآن میں مذکور ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ آئت 46میں یوں مرقوم ہے: وَآتَيْنَاهُ الإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ یعنی اس کو یعنی عیسیٰ کو دی ہم نے انجیل جس میں ہدایت اور نور ہے اور جو اپنی اگلی توریت کی تصدیق کرتی ہے اور ہدایت اور وعظ کرنے والی ان کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں مشرکین عرب اور کل مشرکین ہر زمانہ اور ہر ملک کو یہ قدرت ہرگز نہیں ہے اور نہ تھی کہ کوئی چھوٹا سا رسالہ بھی مثل مضامین توریت اور انجیل کے بنا لاویں اور یہ اور بات ہے کہ ان کتابوں مقدسہ کو مطالعہ کرکے یا اور کتب کو پڑھ کر کہ ان میں مضامین اور تعلیمات ان کتب سماوی کے درج ہیں کوئی رسالہ تیار کرلے اور چونکہ اکثر مضامین قرآن کے توریت اور

انجیل سے ہیں پس حضرت محمد نے مشرکین قریش سے کئی بار کہا ہے کہ سوائے خدا یعنی سوائے کلام خدا کے اگر تم کل عرب کے لوگ عالم جنات کی مدد لوگے تو بھی تم سے ایک سورۃ بھی مثل سورتوں قرآن کے طیار نہ ہوسکے گی۔

دفعہ (3) کتاب مشارق الانوار اہل سنت وجماعت کے نزدیک ایک نہائت معتبر کتاب حدیث کی ہے اس کے حصہ اول میں حدیث ہشت صدونودوچہارم یہ ہے ق۔ بخاری اور مسلم میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا پیغمبروں میں سے کوئی پیغمبر نہیں مگر اس کو معجزے دیئے گئے اس قدر کہ آدمی اس پر ایمان لاویں اور مجھ کو وہ چیز دی گئی ہے جو وحی ہے یعنی قرآن جس کو خدا نے میری طرف بھیجا سو میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن اکثر وہ تابع میرے ہونگے۔

یہ حدیث خود حضرت محمد کی طرف سے تفسیر اور توضیح ان آیتوں قرآنی کی ہے جو شروع میں دفعہ دوم کے نقل ہوئی ہیں اور جن میں موافق تفسیر معالم کے مذکور ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت محمد سے یہ سوال کیا کہ اے محمد مثل انبیاء سلف کے تجھ کو کوئی معجزہ خدا کی طرف سے کیوں نہ ملا تو اس کے جواب میں حضرت محمد نے یہ کہا کہ معجزے خدا کے اختیار میں ہیں اور میں تو فقط واعظ ہوں اور کیا یہ قرآن جس میں کہ رحمت اور نصیحت کی باتیں واسطے ایمانداروں کے درج ہیں ایک معجزہ کافی نہیں ہے پس اس حدیث میں حضرت محمد صاف اور تصریحاً کہتے ہیں کہ سب انبیاء سلف کو بلاشک ایسے معجزے ملے کہ ان کے باعث سے آدمیوں کو ایمان ہو لیکن مجھ کو کوئی معجزہ نہیں ملا کہ اس کے باعث سے بلاجنگ وجدل میری زندگی کے زمانہ میں لوگ ملک عرب کے ایمان لاتے لیکن مجھ کو قرآن ملا ہے اور مجھ کو امید ہے کہ اس کے مضامین سے موثر ہو کر نوبت نبوت قیامت کے دن تک بہت سے آدمی ایمان لائینگے۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ اس حدیث میں بھی فصاحت قرآن کے معجزہ کا پتہ نہیں ہے حالانکہ اس حدیث میں خود حضرت محمد اقرار کرتے ہیں کہ انبیاء سلف کو معجزے واضح ملے اور مجھ کو وہ معجزے نہ ملے الاقرآن۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت محمد کو کیوں امید تھی کہ اکثر آدمی قیامت کے دن ان کے تابع ہونگے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امید موافق اعتقاد حضرت محمد کے تھی کیونکہ وہ قرآن کو ایک نہایت عمدہ شئے جانتے تھے اور علاوہ ازیں شرط دن قیامت کے اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ معجزہ قرآن مثل معجزوں واضح انبیاء سلف کے نہیں ہے کہ ہزارہا آدمی یکایک ایمان لائیں چنانچہ حضرت محمد نے 13 سال مکہ میں وعظ قرآن کیا لیکن موافق تاریخ کے معلوم ہوتا ہے کہ فقط چند آدمی ایمان لائے یعنی کم از دو صد پس حضرت محمد کو امید تھی کہ بتدریج عرصہ بعید میں یعنی قیامت کے دن تک بہت سے آدمی ایمان لائینگے یہی امید ہم مسیحیوں کو ہے کہ انجیل مقدس کو ہر زبان اور ہر بولی میں ترجمہ کرتے ہیں اور اس کے نسخوں کو مفت یا قدرے قلیل قیمت کو دیتے ہیں اور گو ہم اس امر سے کوئی نفع عظیم ظاہرا مشاہدہ نہیں کرتے ہیں بلکہ اکثر نقصان پھر بھی اعتقاداً اور ایماناً ہم کو امید ہے کہ آخر کار نور انجیلی غالب ہوگا اور ظلمت کفر اور شرک کی زائل ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انجیل وہی آدمی قبول کرسکتے ہیں جو دل سے خوف خدا اور فکر عقبیٰ رکھتے ہیں اور جو لوگ فقط جھگڑا اور فساد کیا چاہتے ہیں اور خوف خدا ان کے دل میں نہیں ہے تو ان کے لئے معجزات انبیاء سلف کے بھی لاحاصل ہیں اور یہی تقریر قرآن میں ہے چنانچہ سورہ انبیاء آئت 5 اور 6 میں یوں مرقوم ہے: بَلْ قَالُواْ أَضْغَاثُ أَحْلاَمٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الأَوَّلُونَ مَا آمَنَتْ قَبْلَهُم مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ترجمہ: بلکہ کہتے ہیں کہ بے ٹھکانے جواب ہیں (یعنی مضامین قرآن) اور افترا اور وہ یعنی محمد شاعر ہے پس چاہیے کہ لے آوے ہم پاس کوئی نشانی اسی طرح جس طرح کہ پہلے لوگ یعنی رسول سلف ارسال کئے گئے تھے۔ جن شہروں کو ان کے قبل ہم نے برباد کیا ان میں کوئی ایمان نہ لایا پس کیا یہ لوگ ایمان لائینگے۔ بقول صاحب تفسیر معالم کے مشرکین مکہ حضرت محمد سے کوئی معجزہ مثل معجزوں انبیاء سلف کے طلب کرتے تھے تاکہ ان کے دعویٰ رسالت کی تصدیق ہو لیکن کفار نے مضامین قرآن کی قدر نہ جانی اور ان کو خیالات باطل اور افترا اقرار دیا تو ان سے کیا امید تھی کہ وہ معجزات مثل معجزوں انبیاء سلف کو مشاہدہ کرکے ایمان لائینگے اور ایسی قومیں بھی زمانہ میں گذری ہیں کہ انہوں نے معجزات واضح مشاہدہ کئے اور پھر ایمان نہ لائے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر غضب خدا نازل ہوا اور برباد ہوئی مثلاً اکثر یہود ہمارے خداوند یسوع مسیح پر ایمان نہ لائے گو انہوں نے معجزات واضح مشاہدہ کئے پس نتیجہ یہ ہوا کہ بیت المقدس اور ریاست یہود بالکلیہ غارت ہوئی اور قوم یہود منکرین آج تک رعایا اور قوموں کی ہیں اور حقارت اور ذلالت میں ضرب

المثل ہیں ہم مسیحیوں کے واعظین اور قسیس کے اختیار میں معجزے نہیں ہیں کہ معجزات انبیاء سلف کرسکیں لیکن دلیل ان واعظین کی فقط کتب مقدسہ کی تعلیمات اور معجزات ہیں اور ہم کو دلی یقین ہے کہ جو کوئی ان کتب مقدسہ کو بخوف خدا اور فکر عقبیٰ مطالعہ کرے اس کو ایسا ایمان ہوگا گویا اس نے معجزات مرسلوں اولین حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے مشاہدہ کرلئے ۔ یہی دلیل حضرت محمد کی تھی جب وہ منذر یعنی واعظ اور معلم اور مدرس واسطے مشرکوں مکہ کے مقرر ہوئے اور جو مشرکین عرب میں سے شروع میں قرآن کو پڑھ کر مسلمان ہوئے وہ اسی دلیل سے مسلمان ہوئے مثلاً عمر جس کا دفعہ آئندہ میں نقل ہوتا ہے ۔

دفعہ (4) تاریخ ابوالفدا کے اردو ترجمہ میں یہ لکھا ہے ۔ راوی یوں بیان کرتا ہے کہ پیغمبر خدا فرمایا کرتے تھے کہ "اے بارِ خدایا اسلام کو معزز اور مکرم کر دو شخصوں سے یعنی عمر بن الخطاب اور ابی الحکم بن ہشام یعنی ابوجہل سے " چنانچہ خدا تعالیٰ نے حضرت عمر کو ہدایت کی کہ وہ مسلمان کامل ہوئے ۔ اس شخص کا حال قبل مسلمان ہونے کے یہ تھا کہ ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے بارادہ قتل محمد صاحب کے پھرا کرتا تھا چنانچہ ایک روز پیغمبر خدا کے قتل کا ارادہ کرکے ہاتھ میں تلوار لے کر چلاجاتا تھا کہ راہ میں نعیم بن عبداللہ نعمام ملے انہوں نے پوچھا کہ اے عمر کیا ارادہ رکھتا ہے عمر بولے نبی کو قتل کرونگا۔ نعیم نے بیان کیا کہ اگر تونے محمد کو قتل کرڈالا تو عبدمناف کی اولاد تجھ کو بھی زندہ نہ چھوڑے گی۔ اس حرکت سے باز آکر تجھ سے ہوسکے تو اپنی بہن اور چچازادوں کو یعنی سعید بن زید اور خباب کو جو مسلمان ہوچکے ہیں پھیر کر مرتد کرلے۔ یہ حال سن کر عمر راہ ہی میں سے پھر کر ان کے گھر گئے وہ سورہ طٰہ پڑھ رہے تھے انہوں نے کچھ کھڑے ہو کر سنا جب گھر میں گئے اس وقت انہوں نے وہ صحیفہ چھپالیا اور چپکے ہورہے ۔ عمر نے پوچھا کہ تم کیا پڑھتے تھے وہ انکار کرگئے انہوں نے بہ سبب غصہ کے اپنی بہن کے ایک تھپڑ بہت سخت مارا اور کہا کہ مجھ کو دکھلا تو کیا پڑھتی تھی بہن ان کی یہ خوف کرتی تھی کہ اگر اس کو صحیفہ دیدوگی تو شاید گم کردے پھر دستیاب نہ ہوسکے ۔ اور خباب حضرت عمر ڈر کر چھپ گیا تھا۔ جس وقت عمر نے کہا کہ میں پھر تجھ کو دیدوں گا تو مجھ کو دکھلادے وہ کیا پڑھتی تھی اس وقت انکی بہن نے دیا عمر چونکہ پڑھا لکھا آدمی تھا پڑھ کر کہا کہ خوب باتیں اس میں لکھی ہوئی ہیں میں بھی مسلمان ہونگا۔ پھر لکھا ہے کہ عمر حضرت محمد ﷺ کے پاس گئے اور مسلمان ہوگئے اور حضرت محمد کو بڑی خوشی ہوئی۔ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ عمر اور ان کی بہن وغیرہ فصاحت قرآن کے باعث سے مسلمان نہ ہوئے بلکہ اس کے مضامین کو پسند کرکے ۔ واضح ہو کہ سورہ طٰہ جس کے مطالعہ سے عمر وغیرہ ایمان لائے ایک صحیفہ وعظ کتاب مقدس توریت سے ہے اور اس میں تعلیمات اور حالات اور معجزات حضرت موسیٰ کے اکثر درج ہیں اور حضرت آدم کا بھی ذکر ہے کہ وہ بھی توریت میں ہے پس یہ لوگ توریت پر ایمان لائے اور حضرت محمد نے اس سورہ طٰہ کو وعظ سامنے مشرکین مکہ کے توریت سے کیا جس طور سے ہم مسیحیوں کے واعظین اور قسیس توریت اور انجیل سے مضامین اخذ کرکے عمدہ نتائج نکالتے ہیں اور ہنود اور مسلمانوں کے سامنے وعظ اور نصیحت کرتے ہیں خواہ انکی کوئی براکہے یا بھلاکہے۔ باقی رہے معجزے یہ کتب مقدسہ میں موجود ہیں اور انہیں کا ذکر وعظ میں درج ہے اور نئے معجزوں کی کچھ حاجت نہیں اسی طرح حضرت محمد نے بھی رجوع طرف معجزات توریت اور انجیل کے کی جب کفار مکہ نے ان سے معجزہ طلب کیا چنانچہ اسی سورہ طٰہ کی آیت 133 وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى اس کا ترجمہ مولوی عبدالقادر دہلوی یوں کرتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہم پاس کوئی نشانی یعنی معجزہ اپنے رب سے پہنچ نہیں چکے ان کو نشان یعنی معجزے اگلی کتابوں کے ۔

یعنی کیا معجزے حضرت موسیٰ کے کہ اس سورہ طٰہ میں اگلی کتاب توریت سے بزبان عربی مشرکوں مکہ کے سامنے بیان نہیں ہوچکے ہیں یا یہ کہ کیا معجزات انبیاء سلف کے کتبہ مقدسہ سابقہ سے زبان عربی میں سورتوں مختلفہ قرآن میں مذکور نہیں ہوچکے ہیں کہ اور معجزہ طلب کرتے ہیں کیا معجزات انبیاء سلف کے کہ قرآن میں درج ہیں کافی نہیں یعنی کیا قرآن کافی نہیں ہے کہ اس میں معجزات کتب سماوی سابقہ کے درج ہیں یہ ہیں ظاہر اور صریح معنی آیت کے اور قاضی بیضاوی نسبت صحف اولیٰ کے یہ بیان کرتاہے کہ من التوریت والانجیل وسائر الکتب السماویتہ فان اشتمالھا علیٰ زبدۃ مافیھا من العقائد والاحکام الکلیتہ یعنی توریت اور انجیل اور سب کتب سماوی سے کیونکہ قرآن مشتمل ہے اوپر لب لباب اس چیز کے جو کہ ان کتب سماوی میں ہے درباب عقائد اور احکام کلی کہ۔ پھر بیضاوی میں یہ بھی لکھا ہے کہ محمد صاحب امی تھے پس قرآن ایک معجزہ

عظیم تھا لیکن یہ امر ظاہر معنی آیت بالاسے خارج ہے اور معالم میں اس جائے ذکر امی کا نہیں ہے اور البتہ مقام مناسب پر لفظ امی کی تحقیق بیان ہو گی۔

چونکہ حضرت عمر بذریعہ وعظ توارتی کے ایمان لائے تھے تو ان کو ایک محبت خاص توریت سے ہو گئی تھی اور یہ بات دو حدیثوں مشکواۃ سے معلوم ہوتی ہے۔ایک حدیث میں یہ مذکور ہے کہ عمر ایک نسخہ توریت کا زبان عربی میں لائے اور اس کو بالا اجازت محمد صاحب کے سامنے پڑھنے لگے پس حضرت محمدﷺ اس امر سے نہائت ناراض ہوئے اور کہنے لگے اگر ظاہر ہوتے موسیٰ واسطے تمہارے پس پیروی کرتے تم انکی اور ترک کرتے تم مجھ کو۔

خلاصہ یہ کہ حضرت محمد کو معلوم ہو گیا تھا کہ عمر کو میل طرف شریعت موسیٰ کے ہے پس اس طرح منع کیا اور عمر نے توبہ کی اور دوسری حدیث میں یہ مذکور ہے کہ کعبہ میں جا کر اور حجر اسود یعنی کالے پتھر کے سامنے قائم ہو کر عمر نے یہ کہا اے کالے پتھر تو کچھ نہیں لیکن بخاطر حضرت محمد میں تجھ کو بوسہ دیتا ہوں۔ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ عمر عبادات اور آداب کعبہ پر اعتقاد دلی نہ رکھتے تھے۔

دفعہ (5)اہل اسلام میں مشہور ہے کہ بعض مشرک لوگ مکہ کے دعویٰ کرتے تھے کہ ہم نسبت قرآن کی عبارت کے زیادہ فصاحت کی عبارت لکھ سکتے ہیں پس یہ جو قرآن میں کئی جائے مذکور ہے کہ اے مشرکو اگر تم صادق ہو تو کوئی کتاب مثل قرآن یا دس سورۃ یا ایک سورۃ کے بنا لاؤ تو اس سے یہ مراد ہے کہ ایسی فصاحت کی عبارت بنا لاؤ جیسے قرآن کی عبارت ہے لیکن قرآن اور تفاسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت اور بلاغت کا کچھ ذکر نہیں بلکہ کفار قریش وغیرہ یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن ایک مجموعہ جھوٹی کہانیوں پر پہلے لوگوں کا ہے یعنی یہود و نصاریٰ کی کہانیاں ہیں پس قرآن کے مضامین خدا کی طرف سے نہیں ہم بھی مثل ان کے بنا سکتے ہیں یہ ہے اصل حقیقت اور فصاحت و بلاغت کا بالکلیہ پتا نہیں چنانچہ آگے بیان ہوتا ہے۔

سورہ انفال کی آیت 31و32 میں یوں مذکور ہے: وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُواْ قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاء لَقُلْنَا مِثْلَ هَـذَا إِنْ هَـذَا إِلاَّ أَسَاطِيرُ الأوَّلِينَ وَإِذْ قَالُواْ اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَـذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاء أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۔

ترجمہ: اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں کہتے ہیں کہ ہم سن چکے ہیں ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسا یہ کچھ نہیں مگر تحریرات متقدین کی۔ اور جب کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہ حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر برسا آسمان سے پتھر یالاہم پر عذاب سخت۔ خلاصہ ان دو آیتوں کا یہ ہے کہ جب قرآن سامنے کفار مکہ کے پڑھا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ہم ایسی کہانیاں سن چکے ہیں اگر ہم چاہیں تو بھی ہم ایسی کہانیاں بنالیں یہ کہانیاں قرآنی کچھ اور نہیں مگر یہود و نصاریٰ کی داستانیں اور واسطے تاکید اور تصدیق اپنے قول کے قرآن سوائے تحریرات متقدمین کے کچھ اور نہیں اور خدا کی طرف سے ہر گز نہیں وہ کفار خدا تعالیٰ کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہتے تھے یا اللہ اگر یہ قرآن بالتحقیق تیرے پاس سے ہے تو ہم پر پتھر آسمان سے برسادے یا کوئی اور عذاب سخت ہم پر نازل کر۔

اب فرمائیے کہ اس جائے فصاحت اور بلاغت کا کہاں ذکر ہے اور قاضی بیضاوی بھی اس جائے کچھ ذکر فصاحت اور بلاغت کا تاکیداً نہیں کرتا اور لکھتا ہے کہ یہ قول کہ مثل قرآن کے سنا ہے اور چاہیں تو اسکی مثل کہدیں ایک شخص نصر بن حارث کا ہے اور روائت ہے کہ جب نصر نے کہا کہ یہ قرآن کچھ اور نہیں ہے مگر تحریرات متقدمین کی یعنی قصے پہلے لوگوں کے تو حضرت محمد نے اس سے یہ کہا ویلکہ انہ کلام اللہ یعنی افسوس تجھ پر تحقیق یہ کلام خدا ہے۔ بعد اس کے نصر بن حارث نے اپنی تصدیق کے لئے غضب الہیٰ طلب کیا جو آیت 32 مذکور بالاہ میں گذرا معالم میں وجہ اس کی کہ نصر بن حارث نے کیونکر کہا کہ میں مثل قرآن کے سن چکا ہوں اور اگر چاہوں تو اس کی مثل کہدوں یہ لکھا ہے وذلکہ انہ کان یختلف تاجراالی فارس والحیرۃ فیسمع اخبار رستم واسفندیار واحادیث العجم ویمہ بایہود و نصاریٰ فیراھم یرکعون ولیسجدون و یقرون التوریتہ والانجیل فجاء الی مکتہ وجد رسول ﷺ ویقرا القرآن فقال النصر قد سمعنا لو نشاء لقلنا مثل ھذا ترجمہ: اور یہ اسلئے کہ بطریق تاجر کے وہ طرف فارس اور حیرۃ کے نقل مکان کرتا تھا پس وہ اخبار رستم اور اسفندیار اور قصے ملک عجم کے سنتا تھا اور یہود اور نصاریٰ کے پاس گذرتا تھا اور انکو سر جھکاتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے اور توریت اور انجیل کو پڑھتے ہوئے دیکھتا تھا پھر وہ مکہ آیا اور رسول ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے اور قرآن پڑھتے ہوئے پایا۔ پس نصر نے کہا ہم سن چکے ہیں اگر چاہیں اس کی مثل کہدیں۔

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ مراد نصر بن الحارث کی یہ تھی کہ قرآن میں مضامین تورت اور انجیل کے ہیں پس میں ایسے قصے یہود و نصاریٰ سے سن چکا ہوں پس ہم لوگ مشرک بھی مثل قرآن کے کہہ سکتے ہیں اگر چاہیں اور اسمیں شبہ نہیں کہ کفار قریش مثل نصر وغیرہ کے قصوں انبیاء کو کہ قرآن میں درج ہیں اور قصوں رستم اور اسفندیار وغیرہ کو برابر سمجھتے تھے یعنی ان نا خداپرستوں کو یہ تمیز نہ تھی کہ وحدانیت اور مالکیت خدا کی بڑی چیز ہے اور نہ وہ قدرت اور قیامت کی جانتے تھے۔

سوائے ازیں قرآن میں بعضے قصے بادشاہوں کے بھی درج ہیں مثل سلیمان اور سکندر وغیرہ پس مشرک لوگ مثل نصر کے اور بھی گمراہ ہوئے۔

پھر نسبت آئت 32 کے اس دفعہ کے شروع میں نقل ہوئی معالم میں یہ لکھا ہے نزلت فی النصر بن الحارث بنی عبدالدار قال بن عباس لمتا قص رسول ﷺ القرون الماضیتہ قال النصر لوشیت نقلت مثل ھذا ان ھذا الاساطیر الاولین ای ما ھذا الا ماسطرہ اولین فی کتبھم فقال عثمان بن مضعون فان محمد ایقول قال فانا اقوال الحق قال عثمان فان محمد یعقول لا الہ اللہ قال وانا قول لا الہ اللہ ولکن ھذہ بنات اللہ یعنی الاصنام ثم قال اللھم ان کان ھذا الذی یقولہ محمد اھو الحق من عندلکہ ترجمہ: یہ آیت نازل ہوئی درباب نصر بن الحارث کے بنی عبدالدار میں سے تھا۔ ابن عباس نے کہا کہ جب حضرت محمد ﷺ نے حالات زمانوں ماضی کے بیان کئے اس وقت نصر نے کہا کہ اگر چاہوں تو مثل اسکے کہدوں نہیں ہے یہ مگر تحریرات پہلے لوگوں کو یعنی یہ نہیں ہے مگر وہ جو متقدمین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے پس اس سے عثمان بن مضعون نے کہا کہ تحقیق محمد سچ کہتا ہے نصر نے جواب دیا کہ تحقیق میں سچ کہتا ہوں عثمان نے کہا تحقیق محمد لا الہ اللہ کہتا ہے نصر نے جواب دیا میں بھی کہتا ہوں لا الہ اللہ مگر یہ یعنی مورتیں (بت خانہ کعبہ کی) بیٹیاں خدا تعالیٰ کی ہیں بعد اس کے نصر نے کہا یا خدا اگر وہ جو محمد کہتا ہے حق ہو تیرے پاس سے۔ یعنی نصر نے غضب الہیٰ طلب کیا جس کا آیت مذکورہ بالا میں بیان ہے۔ فقط۔

ظاہر ہے کہ حضرت محمد نے جو قصے زمانوں ماضی کے سامنے نصر کے پڑھے تھے وہ قصے حضرت موسیٰ وفرعون اور رسولوں مسیح اور اہل شہر انطاکیہ وغیرہ کے ہونگے پس نصر نے اس قسم کے قصے یہود و نصاریٰ سے سنے تھے جیسے بیان ہوچکا ہے۔ پس اس نے کہا کہ ایسی کہانیاں میں کہہ سکتا ہوں یہ متقدمین لوگوں کی کتابوں یعنی توریت اور انجیل میں مندرج ہیں اور چونکہ نصر نے ایک کافر مشرک تھا پس وہ توریت اور انجیل کو بھی خدا کی طرف سے نہیں مانتا تھا اور اس واسطے جب عثمان بن مضعون نے حضرت محمد ﷺ کی وکالت کی اور کہا کہ محمد سچ کہتا ہے تو نصر نے کہا میں بھی سچ کہتا ہوں تو اس صورت میں اگر غور کرو تو طرفین کا قول درست معلوم ہوتا ہے عثمان کی مراد یہ تھی کہ قصص انبیاء کہ قرآن میں درج ہیں کتب سماویہ توریت اور انجیل سے ہیں اور اس لئے یہ خدا کی طرف سے ہیں اور حضرت محمد کہتے ہیں اور نصر کہتا تھا کہ میں سچ کہتاہوں کہ یہ قصے قرآنی اساطیر الاولین یعنی کتب متقدمین توریت اور انجیل سے ہیں پس طرفین کا قول مطابق تھا فرق عظیم فقط یہ تھا کہ حضرت محمد اور ان کے اصحاب کتب مقدسہ پر ایمان رکھتے تھے اور نصر کافر اور مشرک تھا۔ چنانچہ یہی گرفت عثمان نے کی اور نصر نے اقرار کفر کیا یعنی عثمان نے کہا کہ حضرت محمد فقط ایک خدا مانتا ہے اس کے جواب میں نصر نے کہا میں بھی ایک خدا مانتا ہوں مگر یہ ہمارے ٹھاکروں کی مورتیں بیٹیاں خدا کی ہیں پس ہم ان کو پوجتے ہیں تاقربت خدا حاصل ہو اور یہ خلاف توریت اور انجیل اور کل کتب سماوی کے ہے۔

یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین مکہ نے یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ ہم کوئی کتاب یا رسالہ مثل قرآن کے باعتبار فصاحت زبان کے تیار کرسکتے ہیں بلکہ یہ کہا ایسے قصے جو قرآن میں ہیں ہم بھی پیدا کرسکتے ہیں چنانچہ اسی مقدمہ میں آگے اور بیان ہوتا ہے۔

دفعہ (6) سورہ لقمان کی آیت 5 یہ ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ترجمہ: عبدالقادر۔ ایک لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تا بچلاویں اللہ کی راہ سے بن سمجھے یعنی بغیر علم اور ٹھیراویں اس کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کی مار ہے۔ واضح ہو کہ جس لفظ کا ترجمہ باتوں ہے وہ اصل میں حدیث ہے اور اس کھیل کی حدیث کی نسبت بیضاوی نے یہ لکھا ہے کہ کالاحادیث لااصل بھاوالاسطیر التئ الاعتبار بھاو المضاحکہ وفضول الکلام یعنی مثل حدیثوں یا قصوں کے کہ ان کے لئے کوئی اصل نہیں ہے اور تحریرات جن کا کچھ اعتبار نہیں اور ہنسی اور فضول کلام ہیں۔

پھر لکھا ہے کہ یہ قصے عوام لوگ مشرکوں میں سے لائے تھے اور بعد اس کے یہ لکھا ہے وقیل نزلت فی النضر بن الحارث اشتر کتب الاعاجم جسم وکان یحدث قریشا ویقول ان کان محمد یحدثکم بحدث عاد ثمود فانا احدثکم بحدیث رستم واسفندیار والاکاترہ یعنی اور کہتے ہیں کہ یہ آیت اور باب نضر بن الحارث کے نازل ہوئی کہ اس نے کتابیں عجم والوں کی خرید کی تھیں اور ان کو سامنے قریش کے بیان کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر محمد تم سے حدیث عاد اور ثمود کی بیان کرتا ہے تو میں تم سے حدیث رستم اور اسفندر یاد اور بادشاہوں فارس کی بیان کرتا ہوں۔ معالم اور حسینی میں قول اغلب یہ ہے کہ یہ آیت نسبت نضر بن الحارث کی نازل ہوئی اور معالم میں یہ بھی لکھا ہے کہ قریش نے قصوں کو جو نضر بیان کرتا تھا پسند کیا اور بہتر کون استماع القرآن یعنی استماع قرآن کو ترک کریا پھر نسبت نضر کے قول قتادہ کا یہ لکھا ہے کہ یحب المرامن ضا لفنہ ان یختار حدیث الباطل علی حدیث الحق یعنی اس نے قدر کی مباحثہ کی گمراہی سے کہ اس نے حدیث باطل کو بجائے حدیث حق یعنی قرآن کے اختیار کیا۔

تاریخ ابوالفدا کے اردو ترجمہ میں حال اہل عرب زمانہ جاہلیت کا یہ لکھا ہے۔ شہرستانی ملل اور نحل میں یہ لکھتا ہے کہ عرب زمانہ جہالت میں کئی قسم پر تھے ایک قسم خدا تعالیٰ کا بالکل انکار کرتے تھے اور ان کا مقولہ تھا کہ ہر ایک شئے اپنی طبعیت سے زندہ ہوجاتی ہے اور زہر مار ڈالتا ہے اور پھر ہر گز زندہ نہ ہونگے۔

پھر لکھا ہے اور ایک قسم کے کافر خالق کا اقرار کرتے تھے لیکن پھر زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔ پھر لکھا ہے کہ اور ایک قسم کے کافر بتوں کو پوجتے تھے۔ پھر لکھا ہے یعنی لوگ ان میں سے میلان طبعیت یہودیوں کے مذہب کی طرف بھی رکھتے تھے اور بعضے نصرانیت کی طرف ڈھلے ہوئے تھے۔ بعضے صائبہ مذہب کی طرف تھے وہ لوگ انوار منازل اور ستاروں اور منجمین کا بہت اعتقاد رکھتے تھے بعض ان میں کے فرشتوں کو سجدہ کرتے تھے اور بعضے جنوں کو پوجتے تھے۔ اور عالم اس زمانہ میں یہ پڑھے جاتے تھے۔ علم الانساب یعنی نسب ناموں کا علم۔ علم انوار یعنی ستاروں کا علم۔ علم التواریخ تعبیر الرویا یعنی تعبیر خواب ابوبکر صدیق ان علوم میں بڑی دست قدرت رکھتے تھے۔ اور بعضی بعضی باتیں جو ایام جاہلیت میں کفار کرتے تھے شریعت میں بھی جائز ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کا حج کیا کرتے تھے اور عمرہ اور احرام باندھتے تھے اور طواف کرتے تھے اور دوڑتے اور جو جائے ٹھہرنے کی ہے وہاں ٹھہرتے اور کنکریاں پھینکتے اور بعد تین سال کے ایک مہینہ بھر مراقبہ کرتے اور غسل کی حاجت سے نہاتے اور کلی کرتے اور ناپاک پانی سے پاک کرتے اور سر پر پانی ڈالتے اور مسواک کرتے اور استنجا کرتے اور ناخون لواتے اور بغل کے بال لیتے اور موئے زہار منڈوالتے اور ختنہ کرتے اور چور کا ہاتھ کاٹ ڈالتے ۔ یہی باتیں اسلام میں بھی جاری رہیں۔ قول ابوالفدا مرقومہ بالا سے معلوم ہوتاہے کہ کفار قریش کے پاس کوئی کتاب دینی نہ تھی جیسے کہ اور قوموں مشرکوں کے پاس آج تک ہیں مثلاً آتش پرستوں فارس پاس ژندو اوستا اور ہنود کے پاس وید وشاستر موجود ہیں پس عربوں کا مذہب فقط زبانی قصوں اور رسموں پر مبنی تھا اور اس واسطے بار بار قرآن میں مشرکوں پر اعتراض ہے کہ ان کے شرک کے لئے آؤ۔

علاوہ ازیں اگر مثل ہنود کے کوئی کتاب مشرکوں عرب پاس ہوتی تو بھی ان پر اعتراض بے اعتباری اور لہو کا ہوتا اور آخر کار یہ کہ انکی کتاب میں شرک داخل خلاف اس کے قرآن میں تعلیم توحید یعنی لا الہ اللہ کی ہے اور وہ مطابق کتب سماوی سابق کی ہے اور موافق تعلیمات رسولوں صاحب اعجاز کے چنانچہ اسی دلیل توحید کے موافق عثمان بن مضعون نے نضر بن الحارث کو اپنی اصل گمراہی پر لاڈالا یعنی مورتیں کعبہ کی بیٹیاں خدا کی ہیں اور لائق پرستش کے ہیں اور یہ شرک ہے یہ ہے معجزہ یعنی عاجز کرنے والی بات قرآن کی بمقابلہ مشرکوں مکہ کے یہ مشرک جنوں کو بھی پوجتے تھے اور یہ جنّ ایک قسم کے شیاطین تھے۔ اور بت پرستی کی تعلیم کرتے تھے ان سے بھی تعلیم توحید کی غیر ممکن تھی۔ غرض یہ توحید خدا کی کتاب سوائے مدد خدا کے مشرکوں عرب سے تیار ہونی غیر ممکن تھی اور مدد خدا کلام خدا ہے یعنی توریت اور انجیل اور انہیں کتب مقدسہ اور ان کی تفاسیر وغیرہ کا ایک خلاصہ فقط نسبت توحید خدا کے بزبان عربی قرآن ہے۔ مرقومہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ دعویٰ فصاحت اور بلاغت عبارت قرآن کا نہ تو حضرت محمد کے وہم میں تھا اور نہ مخالفین مشرکین مکہ کے گمان میں یہ فقط ایجاد مولوی صاحبوں کا ہے جو کہ مدت بعد حضرت محمد کے پیدا ہوئے اور پھر آپس میں بھی اختلاف کرتے ہیں مثلاً سورہ ہود کی آیت 13 میں یہ لکھا ہے أَمْ

یَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُواْ بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ ترجمہ: یعنی کیاکہتےہیں کہ قرآن کو افترا کیا ہے توکہہ لے آؤ دس سورتیں مثل اسکے۔

اس پر معالم یہ لکھاہے: اور تحقیق کہا گیاہے کہ کہاسورہ یونس میں کہ لے آؤ ایک سورۃ مثل اس کے اور کفاراس سے عاجزہوئے پس اس جائے کیونکر کہاکہ لے آؤ دس سورتیں یہ تو مثل اس کے ہے کہ کوئی آدمی دوسرے سے کہے کہ مجھ کو ایک درم دے پس وہ عاجزہوجائے یعنی نہ دے سکے اور پھر کہے کہ مجھ کو دس درم دے اسکے جواب میں کہاگیاہے کہ سورۃ ہود اول نازل ہوئی۔اور اس کا مبرد نے انکار کیا اور کہا بلکہ سورہ یونس اول نازل ہوئی اور کہا کہ سورہ یونس میں اس کے قول کے کہ مثل اس کے ایک سورۃ لے آؤ یہ معنی ہیں کہ مثل اس کے باعتبار خبر غیب او راحکام اور وعدہ وعید کے لئے آؤ۔ پس کفار عاجز ہوئے پھر ان سے سورہ ہود میں کہا کہ چونکہ تم لانے سے ایک سورۃ کے مثل اس کے باعتبار اخبار اور احکام اور وعدہ اور وعید کے عاجزہوئے تو تم لے آؤ دس سورتیں مثل اس کے نہ باعتبار خبر اور نہ وعدہ اور نہ وعید کے بلکہ فقط باعتبار بلاغت کے حقیقت یہ ہے کہ دعویٰ معجزہ فصاحت وبلاغت زبان کا نہ تو واسطے ایک سورۃ کے ہے اور نہ دس سورۃ کے اور نہ کل قرآن کے بلکہ دعویٰ معجزہ واسطے جزو کل قرآن کے باعتبار اسی بات کے ہے جو مبرد واسطے ایک سورۃ کے بیان کرتا ہے یعنی اخبار غیب اور احکام اور وعدہ وعید عاقبت اور اخبار غیب سے قصے انبیاء اور خدا پرست لوگوں زمانہ سلف کی مراد ہیں مثلاً قصہ حضرت مریم البتول اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت نوح وغیرہ مثلاً سورہ آل عمران میں بعد بیان کچھ حال حضرت یحییٰ اور حضرت مریم اور کچھ اشارہ پیدائش عیسیٰ کا کرکے آیت 39 میں یہ لکھا ہے ذَلِكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ ترجمہ یعنی یہ قصے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے اخبار غیب ہیں ۔چنانچہ معالم میں یہ لکھا ہے اور اخبار غیب سے علم خدا مراد ہے اور چونکہ توریت اور انجیل علم خدا سے ہیں اور چونکہ یہ قصے ان کتب مقدسہ میں مذکور ہیں تو مراد آیت بالا سے یہ ہے کہ یہ قصے لوگوں مقدسین مذکورین کی کتب سماویہ سے ہیں اور نہ حدیثوں لہو اور غیر معتبر سے مثل ان کے جو نضر بن الحارث نے خرید کی تھیں اور ان کو مثل قرآن بیان کرتا تھا جیسے کہ اسی دفعہ کے شروع میں بیان ہوا خلاصہ۔ یہ کہ دعویٰ معجزہ قرآن فقط یہ ہے اور کچھ نہیں کہ قرآن علم خدا یعنی توریت اور انجیل سے ہے اور نہ افترا محمد یا کسی اور مخلوق کا جیسے کہ کفار بمشرک مکہ کے بار بار بکتے تھے چنانچہ بیان ہوا اور دفعہ آئندہ میں اور تفصیل کیجاتی ہے۔

دفعہ (7)دفعہ گذشتہ میں سورہ ہود سے آیت 13 نقل ہوئی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کفار مکہ قرآن کو افترا کہتے ہیں تو لازم ہے کہ دس سورتیں مثل اس کے لے آئیں اگر وہ صادق القول ہیں اور سوائے اللہ یعنی سوائے علم اللہ توریت اور انجیل کے اور کسی کو اپنا مددگار قائم کرلیں اور پھر آیت آئندہ 14 میں یہ لکھاہے کہ فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُواْ لَكُمْ فَاعْلَمُواْ أَنَّمَا أُنزِلِ بِعِلْمِ اللّهِ وَأَن لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ترجمہ عبدالقادر: پھر اگر نہ ادا کریں تمہارا کہنا تو جان لو اترا ہے اللہ کی خبر سے اور کوئی حاکم نہیں سوائے اس کے پھر اب تم حکم مانتے ہو۔

یعنی اگر کفار مکہ اس سوال کے موافق جواب نہ دیں تو اے محمد اور مسلمانوں تم جان لو کہ یہ قرآن علم خدا سے نازل ہوا ہے اور نہ افترا انسانی ہے کہ اس کے مثل کفار بناسکتے اور یہ بھی جان لو کہ سوائے خدا واحد حقیقی کے اور کوئی خدا نہیں ہے کہ وہ لائق بندگی ہو کیونکہ اگر ایسے ہوتا مشرک کہ بھی بمدد اپنے ٹھاکروں کے مثل قرآن کوئی کتاب پیدا کرسکتے پس اے کفار مکہ اس معجزہ قرآن کومشاہدہ کرکے تم مسلمان ہوئے کہ نہیں۔ فقط یہ موافق اس کے ہے جو دفعہ ششم میں گذرا کہ وہاں بیان ہوا ہے کہ بہ سبب بے علمی اور جہل کے نضر بن الحارث ایک قصے کی کتاب لایا اور اس لہو اور لعب کی حدیث کو بمقابلہ قرآن کے سامنے قریش کے پڑھنے لگا اور اس طریق سے ان کو سماعت وعظ قرآن سے مانع آیا پس یہ حرکت نضر بن الحارث کی فقط جہل اور بے علمی سے تھی کہ ایک حدیث لغو اور غیر معتبر کو اس نے اختیار کیا اور قرآن کو کہ اس میں علم خدا اور عاقبت ہے ترک کیا چنانچہ نسبت لفظوں بغیر علم کے کہ سورہ لقمان کی آیت 5 میں واقع ہیں معالم میں یہ لکھا ہے ای یفعلہ عن جہل قال قتادہ بحب المرامن الضلالتہ ان یختار حدیث الباطل علیٰ حدیث الحق یعنی یہ اس نے جہل کے باعث سے کیا کہا کہ قتادہ نے کہ اس نے مباحثہ کی قدر گمراہی سے کی کہ بمقابلہ حدیث حق کے حدیث باطل کو اختیار کیا۔ خلاصہ یہ کہ قرآن میں یہ دعویٰ نہیں کہ مشرک لوگ مکہ کے کوئی کتاب مثل کل یا جزو قرآن کے باعتبار فصاحت زبان کے لئے آئیں چونکہ اس صورت میں یہ کفار بہت سے خرافات بمقابلہ قرآن پیدا کرسکتے تھے چنانچہ نضر بن الحارث نے ایسا ہی کیا تھا

جیسے کہ گذرا اور اس حالت میں قرآن کی بڑی حقارت ہوتی کیونکہ ہر لہو ولعب کا قصہ اور فسانہ قرآن کے مقابلہ کیا جاتا اور اس واسطے اس امر ناشائستہ کو آیت قرآنی میں قطعی منع کیا ہے جیسے کہ نصر کے ذکر میں بیان ہوچکا ہے لیکن باوصف اس کے اکثر مفسرین قرآن کی تحقیر کئے جانیکے مددگار ہیں اور ان کے باعث سے بہت سے مولوی صاحب گمراہ ہیں اور عوام کا تو کیا ذکر۔ اور حق فقط یہ ہے کہ قرآن میں علم خدا ہے اور یہ علم مشرکوں کو ہر گز حاصل نہیں ہے چنانچہ نصر اور اس کے قصہ لہوولعب کی بنیاد قرآن میں الفاظ بغیر علم سے تعبیر کی ہے اور سورہ ہود کی آیت ہفت ہم کی اسی دفعہ میں نقل ہوئی فضیلت قرآن لفظ بعلم سے بیان کی ہے اور اسی آیت میں ماہیت اس علم کی وحدانیت خدا ظاہر کی ہے اور البتہ اس میں وعدہ وعید آخرۃ اور قیامت اور اخبار واحکام داخل ہیں چنانچہ معالم میں نسبت لفظ یعلم کے یہ لکھا ہے بعلم اللہ یعنی القرآن یعنی علم خدا سے نازل ہوا یعنی قرآن۔ اور پھر لکھاہے کہ وقیل انزلہ وفیہ علمہ یعنی کہتے ہیں قرآن نازل کیا گیا اور اس میں علم خدا ہے ۔ اور دفعہ چہارم میں آیت قرآنی اور تفسیر بیضاوی وغیرہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ علم خدا جو قرآن میں ہے وہ علم صحف الاولیٰ یعنی توریت اور انجیل سے ہے۔

دفعہ (8) اس دفعہ میں چند مثالیں ایسی بیان کی جاتی ہیں کہ ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دعویٰ قرآنی فقط یہ تھا کہ قرآن میں علم خدا ہے اور مشرکوں کے پاس علم خدا نہیں ہے اور ان کی باتیں شرک خلاف علم خدا ہیں اور ان کے لئے کوئی سند معبتر نہیں ہے اور اگر کوئی کتاب سنادید کی مشرکوں مکہ کے پاس ہو اس کو پیش نہ کریں سورہ صافات کی آیت 150 أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ یعنی کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا اور وہ دیکھتے تھے۔ واضح ہو کہ مکہ کے مشرکوں کے مذہب کے موافق فرشتے فرقہ مونث سے سمجھے جاتے تھے اور یہ صریح خلاف علم خدا توریت اور انجیل کے ہے پس قرآن میں ان کفار سے یہ کہا کہ جب خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا اس وقت کیا تم موجود تھے اور مشاہدہ کرتے تھے کہ تم کہتے ہو کہ فرشتے عورات ہیں یعنی کیا تم پاس کوئی سند قوی واسطے تمہارے اس بیہودہ کلام کی ہے چنانچہ یہی مطلب آگے لکھا ہے ۔آیت 156 أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِينٌ یعنی یا تم پاس کوئی حجت یا سند واضح ہے ۔ بیضاوی میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں حجتہ واضحتہ نزلت علیکم من السماء بان الملائکہ بناۃ یعنی کوئی حجت واضح جو تم کو آسمان سے نازل ہوئی ہو اس باب میں کہ فرشتے دختران خدا ہیں۔

آیت 157 فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ یعنی پس لے آؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔ بیضاوی میں لکھا ہے کہ الذی انزل علیکم یعنی وہ کتاب لے آؤ جو تم پر نازل ہوئی ہے ۔ خلاصہ اس ساری تقریر قرآنی کا یہ ہے کہ اے مکہ کے مشرکو اگر تم پاس کوئی معتبر کتاب زمانہ قدیم کی موجود ہو اور اس میں یہ لکھا ہو کہ فرشتے عورتیں ہیں اور تمہاری مورتیں قابل لائق عبات ہیں اور علی ہذا القیاس تو اس کتاب کو پیش کرو اگر تم حق پر ہو اور اگر تم ایسی کتاب نہیں لاسکتے تو تم جان لو کہ تمہارا مذہب جہل یعنی بے علمی سے ہے اور مذہب قرآنی علم خدا سے ہے جیسے کہ پہلے بیان ہوا اور آگے اور ہوتا ہے ۔ سورہ احقاف کی آیت 4 میں مرقوم ہے : قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّن قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ترجمہ عبدلقادر : تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوائے دکھاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں یا ان کا کچھ ساجھا ہے آسمانوں میں لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا چلا آتا ہے کوئی علم اگر ہو تم سچے۔ ظاہر ہے کہ اس جائے مشرکوں مکہ سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ ٹھاکر جن کو تم سوائے خدا کے پوجتے ہو بھلا ثابت تو کرو کہ انہوں نے کچھ زمین وآسماں میں سے پیدا کیا ہو پس اس ثبوت کے لئے کوئی کتاب معتبر پیدا کرو یا کوئی زبانی حدیث اور روایت جو متواتر زمانہ قدیم سے چلی آتی ہو چنانچہ معالم میں نسبت کتاب مطلوب کے یہ لکھا ہے کہ ای بکتاب جاء کم من اللہ قبل القرآن فیہ بیان ما تقولون یعنی کوئی کتاب جو تم پاس خدا کی طرف سے آئی ہو پہلے زمانہ قرآن کے اس میں وہ بیان ہو جو تم کہتے ہو۔ اور نسبت آثار علم کے یہ لکھا ہے قال الکلبی ای بقیہ من علم تو ثرعن الاولین ای تسند الھیم یعنی کلبی نے کہا معنی یقیتہ علم کے ہیں جو باقی رہا پہلے لوگوں سے یعنی باسند پہنچا ان تک ۔ اور پھر لکھاہے کہ قال مجاھد وعکرمہ ومقاتل روایت عن الانبیاء یعنی کہا مجاہد اور عکرمہ اور مقاتل نے روایت جو انبیاء سے پہنچی۔

غرض یہ کہ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کچھ نہیں ہے مگر جھوٹی پرانی کہانیاں اور افترا اور ہمارے باپ دادا کا مذہب ٹھیک ہے پس ان سے الزاماً کہا جاتا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی

سند پیش کرو کوئی کتاب مثل قرآن یا توریت یا کوئی اس کے جز کے لے آؤ تاکہ معلوم ہو کہ تم پاس معتبر سندیں ہیں حالانکہ قرآن کے لئے سندیں بے شمار ہیں اور قوی یعنی کل انبیاء اور ان کی کتب اور ان کے معجزات اور تعلیمات اور ان کی امتوں کے لوگ یعنی اہل کتاب۔

فصاحت اور بلاغت کا جھگڑا نہ تو حضرت محمد کے وہم وگمان میں گذرا اور نہ ان کے مخالفوں بت پرست قریش کے وہم میں دعویٰ قرآنی فقط درباب علم خدا اور معتبر اور معقول حدیث کے تھا جیسے بیان ہوا اور آگے ہوتاہے ۔سورہ طور کی آیت 33و34 میں مذکور ہے:أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ترجمہ عبدالقادر: یا کہتے ہیں یہ بات بنالایا کوئی نہیں پھر ان کو یقین نہیں ۔ پھر چاہیے لے آئیں کوئی بات یعنی کوئی حدیث اس طرح کی اگر ہیں سچے۔ مراد یہ ہے کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ قرآن کو محمد اپنے دل سے بنالایا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول مشرکوں کا صدق دل سے نہیں بلکہ بسبب کفر اور عناد کے ہے چنانچہ بیضاوی اس مقدمہ میں یہ لکھتاہے کہ فیرمون بہذا مطاعن لکفرھم وعنادھم پس وہ اس طعن پر دوڑ جاتے ہیں اور بسبب ان کے کفر اور عناد کے یعنی وہ خوب جانتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے اکثر مضامین قرآن کے ہیں پس یہ کیونکر ممکن کہ حضرت محمد نے ان مضامین کو اپنی طرف سے ایجاد کیا لیکن چونکہ ان کفار کو کل کتب مقدسہ سے انکار تھا اور اپنا دین شیطانی عزیز وو چاہے جو کچھ دشمنی سے کہہ بیٹھے تھے ۔ پھر قرآن میں ان مشرکوں سے سوال کیا گیا کہ اگر تم صدق دل سے کہتے ہو کہ حضرت محمد نے قرآن کو اپنے دل سے افترا کیا تولازم ہے کہ تم بھی کوئی حدیث مثل قرآن بنالاؤ اور یہاں وہ عاجز تھے۔

دفع(9)ایک اور مثال اس امر کی کہ قرآن فقط باعتبار علم خدا کے ایک معجزہ واسطے مشرکین عرب کے تھا (کہ انہیں ایسا علم نہ تھا یعنی وہ صاحب کتاب نہ تھے)آگے بیان ہوتی ہے ۔ سورہ زخرف کی آیت 19 میں یوں مرقوم ہے: وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ترجمہ: اور ٹھہرایا فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمن کے عورتیں کیا وہ دیکھتے تھے ان کا بنانا ۔ اب لکھیں گے ان کی گواہی اور ان سے پوچھ ہو گی۔ چونکہ مشرکین مکہ کے پاس سند کتابی اور تحریری معتبر اس بیہودہ قول کے لئے کہ فرشتے عورتیں ہیں موجود نہ تھے تو ان سے حقارتاً سوال کیا گیا کہ کیا وہ بوقت بنائے جانے فرشتوں کے موجود تھے کہ انہوں نے مشاہدہ کرلیا کہ فرشتے عورتیں ہیں اور بعد اس سوال کے انکو دھمکایا گیا کہ عاقبت میں اس نالائق قول کی ان سے باز پرس ہو گی پھر آیت آئندہ میں مشرکوں کی اور زیادہ جہل ظاہر ہوتی ہے آیت نمبر20 وَقَالُوا لَوْ شَاء الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُم مَّا لَهُم بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ یعنی اور کہتے ہیں اگر چاہتا رحمن ہم نہ پوجتے انکو یعنی فرشتوں کو کچھ علم نہیں ان کو اس کا الایہ کہ وہ احتمالات باطل کرتے ہیں۔ یہ قول مشرکین مکہ کا کہ اگر "خدا چاہتا تو ہم فرشتوں کو نہ پوجتے "قول بے سند ہے اور ایک وہم باطل ہے چنانچہ آگے بیان ہوتاہے ۔

آیت نمبر 21 أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ یعنی کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے ان کو قبل اس کے یعنی قبل از قرآن کے کہ اس پر وہ تمسک پکڑتے ہیں ۔ یعنی بت پرستوں مکہ کے پاس کوئی کتاب یا حدیث معتبر نہیں ہے کہ اس سے تحقیق ہو کر خدا نے ان کو عبادت فرشتوں سے منع نہیں فرمایا سوائے اس کے کہ ان کے باپ دادا بھی ایسا ہی کرتے آئے ہیں جیسا کہ آیت آئندہ سے ظاہر ہوگا۔

آیت نمبر22: بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ترجمہ: بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے پائے اپنے باپ دادا سے ایک راہ پر اور ہم انہیں کے قدموں پر ہیں راہ پائے ۔ اس پر قاضی بیضاوی یہ لکھتاہے کہ حجتہ لھم علی ذلکہ عقیلتہ ولا نقیلتہ وانما جیخوا فیہ الی تقلید اباہم الجہلۃ اس میں ان کے لئے کوئی حجت نہ تھی اور نہ عقلی اور نہ نقلی اور یقیناً اس میں وہ اپنے جاہل باپ دادا کی تقلید پر پناہ لیتے تھے ۔ غرض یہ کہ مشرکین عرب کے پاس کوئی کتاب معتبر واسطے ان کی بت پرستی کے نہ تھی پس جب وہ کہتے تھے کہ قرآن ایک افترا ہے تو انکی تردید اور عاجز کرنیکے لئے ان سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی کتاب مثل قرآن لے آؤ اور یہاں وہ عاجز ہوتے تھے لیکن یہ ان کا عجز کوئی ایسا اثر نہیں پیدا کرتا تھا کہ وہ مسلمان ہوجائیں اور وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ بت پرست لوگ مکہ کے قدر توحید خدا اور عاقبت کی نہ جانتے تھے وہ شرک اور جہل میں ڈوبے ہوئے تھے بغیر فضل الہیٰ خاص کے یہ غیر ممکن ہے کہ کوئی شخص بت پرست فقط تعلیم اور وعظ وغیرہ سے شرک کو ایک گناہ عظیم نزدیک خدا کے سمجھنے لگے اور توحید اور آخرۃ کا عاشق ہوجائے اور اس طریق

سے مضامین قرآن جو کہ موافق اور مصدق توریت اور انجیل کے ہیں اس کو پسند آئیں حتیٰ کہ یہی مضامین عالی اس کے لئے ایک معجزہ کافی ہوجائیں اور یقیناً جو چند اشخاص مثل عمر وغیرہ کے جو بلا کسی غرض نفیس کے شروع میں مسلمان ہوئے ان کو اس قدر فضل ربانی بلا شبہ عطا ہوا اور اس واسطے جا بجا قرآن میں مذکور ہے کہ قدر قرآن کی وہی اہل عرب جانیں گے جو متقی ہیں اور انہی کو قرآن سے نفع ہے اور نہ سخت دل ناخدا پرستوں کو مثلاً سورہ حشر آیت 21 میں یوں مرقوم ہے:لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ترجمہ:اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھتا وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے اور یہ کہلاوتیں یعنی مثلیں سناتے ہم لوگوں کو شائد وہ دھیان کریں۔ بیضاوی میں یہ لکھاہے کہ والمراد توبیخ الانسان علیٰ عدم تخشیہ عند تلاوۃ القرآن نفساوہ وہ قلبہ یعنی اور مراد ہے ملامت انسان کی کہ اس کا دل ایسا سخت ہے کہ بوقت تلاوت قرآن وہ دب نہیں جاتا۔ یعنی اس کے دل پر تاثیر نیک نہیں ہوتی۔ ایسا ہی معالم اور حسینی مذکور ہے یہ ہے تعریف قرآن کی قرآن میں اور نہ فصاحت اور بلاغت ۔ پھر سورۃ شانز دہم آیت نودویکم میں لکھاہے او رنازل کی ہم اوپر تیرے کتب بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری حکم برداروں کو ۔ اور پھر سورہ بنی اسرائیل کی آیت 9میں یہ لکھاہے: إِنَّ هَـذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ یعنی یہ قرآن بتاتی ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور مومنوں کو خوشی سناتی ہے۔ لیکن کفار بت پرست مکہ کے ان خوبیوں مضامین قرآنی کی نسبت اندھے تھے اور نہ ان کو ایمان توریت اور انجیل پر تھا لیکن چونکہ مضامین قرآن سن کر معلوم کیا تھا کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے بڑے بڑے معجزے مذکور ہیں پس وہ حضرت محمد سے جھگڑتے تھے کہ اگر قرآن خدا کی طرف سے ہے تو تو بھی ایسے معجزے ظاہر کر چنانچہ کئی بار یہ جھگڑا پہلے بیان ہوچکا ہے اور دفعہ آئندہ میں اور مذکور ہے۔

دفعہ (10) سورہ قصص میں بعد بیان قصہ حضرت موسیٰ کی آیت 48 یہ ہے : فَلَمَّا جَاءهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَى أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَى مِن قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ ترجمہ:پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا اس کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو ابھی منکر نہ ہوچکے ہیں موسیٰ کے ملنے سے اس سے پہلے کہنے لگے دو نو جادو آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دو نوں کو نہیں مانتے یعنی جب حق کی باتیں توحید خدا اور حالات اور معجزات موسیٰ اور فرعون کے سامنے مشرکوں مکہ کے بیان ہوئے تو وہ کہنے لگے محمد کو وہ معجزے کیوں نہ ملے جو موسیٰ کو ملے تھے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جس طرح تمہارے بھائیوں کفار مصر نے معجزے موسیٰ کے مشاہدہ کرکے حق دین قبول نہ کیا ایسا ہی تم بھی ایمان نہ لاؤ گے پس معجزے بے فائدہ ہیں۔ اس پر کفار قریش نے کہا دو نوں یعنی توریت اور قرآن سحر ہیں یعنی جھوٹ افترا ہیں ہم دو نوں پر اعتقاد نہیں رکھتے ہیں۔ واضح ہو کہ متن بیضاوی میں قراء ۃ ساحران یعنی جادو گر موسیٰ وہارون واقع ہے چنانچہ آیت بالاعربی موافق بیضاوی کے نقل کی گئی ہے۔ پھر بیضاوی تفسیر میں لکھتاہے کہ اہل کوفہ قراءۃ سحران ہے یعنی وہ جادو ہیں یعنی توریت اور قرآن جیسا کہ معالم میں لکھا ہے اور مولوی عبدالقادر دہلوی نے اسی قراۃ کو پسند کیا ہے کیونکہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور صاحب تفسیر حسینی بھی اسی قراۃ کو قبول کرتاہے اور فی الحقیقت یہی قراۃ درست ہے کیونکہ آئت آئندہ میں صاف لکھا ہے کہ اگر تم مشرک مکہ صادق العقول ہو تو کوئی اور کتاب خدا کی طرف سے بہتر توریت اور قرآن سے لے آؤ۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ کفار نے ان دو نوں کتابوں کو سحر بیان کیا ہے کہ ان کو یہ جواب ملا آیت 49قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ترجمہ: عبدالقادر: توکہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دو نوں سے بہتر ہو سمجھانے میں اس پر چلوا اگر تم سچے ہو۔ پھر آیت آئندہ میں یہ لکھا ہے آیت 50: فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءهُمْ ترجمہ:پس اگر وہ تیرے سوال کے موافق جواب نہ دیں تو توجان لے کہ وہ موافق اپنی ہوا اور ہوس کے چلتے ہیں۔ یہ موافق اس کے ہے جو دفعہ ہفتم میں بیان ہوا یہ ہیں معنی جس معنی سے قرآن میں کئی جائے دعویٰ کیا گیا ہے کہ اگر مشرکین سچے ہیں کہ قرآن محض ایک افترا ہے تو چاہیے کہ مثل اس کے یا اسکے کوئی جزو کے کوئی اور کتاب پیدا کریں یہ سچ ہے کہ قرآن کے اکثر مضامین اور تعلیمات توریت اور اس کی تفاسیر سے ہیں لیکن یہ محض غلط ہے کہ یہ دو نوں افترا ہیں اور اگر یہ سچ ہو تو چاہیے کہ کوئی کتاب ان دو نوں سے بہتر مشرکین مکہ پیدا کریں اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو ثابت ہے کہ وہ فقط دشمنی سے چاہے جو کچھ بکتے ہیں۔

غرض یہ کہ فصاحت اور بلاغت کے مباحثہ کا سارے قرآن میں کھیں پتا نہیں بلکہ جہاں دیکھو مباحثہ معتبر حدیثوں اور علم کا ہے ۔ یہ دونوں باتیں مشرکوں مکہ کو ہرگز حاصل نہ تھیں اور قرآن میں بذریعہ توریت اور انجیل کے یہ دونوں باتیں حاصل تھیں پس یہ ہے معجزہ قرآن کا جو قرآن میں مذکور ہے اور باقی توہمات مثل توہمات مشرکوں عرب کے ہیں او رایک مثال ان توہمات کی آگے بیان ہوتی ہے ۔

سورہ بقرہ کی آیت 179: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ ترجمہ: اور تم کو قصاص میں زندگی ہے یعنی حکم تھا قصاص کے باعث سے آدمی ڈر کردوسرے کو قتل نہ کریگا اور اس واسطے آپ بھی گردن مارے جانے سے محفوظ رہیگا۔ پس اس حکم اور قانون سے دو جانیں بچیں پس قانون قصاص موجب حیات کا ہوا ۔ اس پر قاضی بیضاوی یہ لکھتا ہے کہ یہ جملہ قرآنی نہایت فصاحت اور بلاغت کا ہے اس حیثیت سے کہ ایک شئے بجائے اپنی ضد کے قائم کی گئی ۔ شبہ نہیں یہ جملہ قرآنی کچھ فصیح ہے اور ، اور صدہا جملے اس سے زیادہ تر فصاحت معنی کے قرآن میں موجود ہیں لیکن ناظرین غور فرمائیں کہ ایسی فصاحت کا قول کوئی معجزہ تصور کیا جاتا ہے ۔ مولوی رفیع الدین صاحب نے اپنے رسالے میں اقوال حضرت شیخ فرید الدین عطار کے کہ ایک بڑے صوفی تھے نقل کرتےہیں ۔ مثلاً قولہ یا ینہمہ نزدیکی جاناں چہ بسی دوری ۔ درعین وصال تو گشت ہیں ہمنہ ہجوری ۔ ہر ذرہ تیرا منزل وز توہمہ کس غافل ۔ جانا چہ طلسم است ایں مشہوری ومستوری ۔ ظاہر ہے کہ یہ اقوال فرید الدین عطار کے فصیح تر ہیں نسبت آیت قرآنی مذکورہ بالا کے ناظرین انصاف فرمائیں ۔

دفع (11) قرآن میں ایک جائے آیا ہے کہ مشرکوں مکہ نے کہا کہ حضرت محمد کو ایک شخص تعلیم کرتا ہے اس کے جواب میں کہا گیا کہ جس شخص کی طرف کفار گمان کرتے ہیں وہ شخص غیر ولایت کا ہے اور نہ ملک عرب کا حالانکہ قرآن کی زبان عربی صاف ہے پس اس سے مفسرین وغیرہ خیال کرتے ہیں کہ یہاں دعویٰ فصاحت قرآن کا ہے شبہ نہیں اشارہ طرف فصاحت زبان عربی قرآن کے ہے مگر فقط اس قدر غیر ولایت کا آدمی نہیں ہے ۔ سورہ نحل کی کی آیت 103: وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَـذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ترجمہ: عبدالقادر ۔ او رہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو سکھاتا ہے آدمی جس پر تعریص کرتےہیں اس کی زبان ہے اور اوپری اور یہ زبان عربی ہے صاف مفسرین اس کی بڑی تحقیق کرتے ہیں کہ کفار کس شخص سے مراد رکھتے تھے کہ حضرت محمد کو مضامین قرآن تعلیم کرتا تھا چنانچہ بیضاوی میں یہ لکھا ہے کہ مراد رکھتے تھے جبر رومی سے کہ غلام عامر بن الحضرمی کا تھا اور کہا ہے کہ جبرا اوریسار تھے جومکہ میں تلوار بناتے تھے اور توریت اور انجیل کی قراۃ کرتے تھے اور ان کے پاس رسول یعنی حضرت محمد گذر کیا کرتے تھے اور جو یہ دو شخص پڑھتے تھے اس کی سماعت کرتے تھے او رکہا ہے کہ عائش تھا کہ وہ غلام حویطب بن عبدلعزی کا تھا اور مسلمان ہوگیا تھا اور صاحب کتب تھا اور کہا ہے کہ سلیمان فارسی تھا۔

واضح ہو کہ یہ سب نصاریٰ میں سے تھے نسبت جبر ویسار کے معالم میں یہ لکھا ہے وقال عبداللہ بن مسلم الحضری کان لناعبد ان من اہل عین التمر یقال لاحد ھما یسار ریکنا ابا نسکیمہ وبقال لا خرجبرو کا نایصان السیوف بمکتہ وکا نایقران التوریت وانجیل فربما بھما النبی وھما یقران التوریت فیقف وسیمع ۔ قال الضحالکے وکان النبی عم اذا تاہ لکفار یعقد الیھاد ویستریج بکلا مھما المشرکون انما تعلیم محمد منھما: ترجمہ: اورکہا عبداللہ ابن مسلم الحضری نے کہ اہل عین التمر سے ہمارے دو غلام تھے ایک کو ان دو میں سے یسار ریکنا ابا فکیتہ کہتے تھے اور دوسرے کو جبر اور یہ دونوں مکہ میں تلواریں بناتے تھے اور توریت اور انجیل پڑھا کرتے تھے پس بعض اوقات نبی ﷺ ان پاس سے گذرا کرتے اور وہ دونوں توریت پڑھتے ہوتے محمد ﷺ توقف کرتے اور سماعت کرتے کہا ضحاک نے کہ جب کفار نبی کے پاس آتے تو حضرت محمد ان دو کی طرف یعنی یسار اور جبر کی طرف بیٹھے اور ان کے کلام سے حسرات حاصل کرلیتے تھے ۔ پس مشرکوں نے کہا کہ بہ تحقیق محمد کو ان دو شخصوں سے ایک تعلیم دیتا ہے۔مدارک میں موافق بیضاوی کے نام لکھے ہیں آیت بالا سے صاف ظاہر ہے کہ زبان قرآن عربی صاف ہے اور نہ یہ کہ فصاحت قرآن ایک معجزہ ہے اور یہ تونہایت ظاہر ہے کہ غیر ولایت کا آدمی ایسی صاف اور بامحاورہ عربی نہیں بول سکتا تھا جیسے قرآن میں ہے یہ بھی ظاہر ہے جو توریت اور انجیل جبر اور یسار پڑھا کرتے تھے اور حضرت محمد ان کی سماعت کرتے تھے ان کتب مقدسہ کا ترجمہ عربی ہوگا تاکہ حضرت محمد ان کو سمجھیں اور وہ ترجمہ نصاریٰ ویہود عرب کا ہوگا نہ یسار اورجبر کا کہ رومی لوگ تھے پس آیت قرآنی مذکورہ بالامیں اس کا

بھی انکار نہیں ہے کہ قرآن کی عبارتیں عمدہ ترجموں عربی توریت اور انجیل سے ہوں۔ روش گفتگو قرآن کی یقیناً موافق ان کتب مقدسہ کے ہے اور نہ موافق کتب زمانہ جاہلیت بت پرستوں کے عرب کے کہ ان میں مضامین عالی توحید خدا اور احکام اور وعدہ وعید قیامت اور آخرت کے ہر گز نہ تھے ان میں تو ذکر لوٹ مار اور جنگ وجدل اور تعریف اونٹوں اور گھوڑوں اور عورتوں کے مندرج تھے خلاصہ یہ کہ روش کلام اور عبارت قرآن ایک عکس تحریرات اور تقریرات یہود و نصاریٰ ملک عرب زمانہ حضرت محمد کا ہے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ بت پرست لوگ مکہ کے کوئی کتاب مثل قرآن یا کوئی اس کے جزو کے نہیں بناسکتے تھے۔ حال حبر اور یسار مذکورہ بالا سے اور احادیث وغیرہ سے معلوم ہوتاہے کہ ترجمہ عربی توریت اور انجیل مکہ وغیرہ میں پائے جاتے تھے اورلوگ ان کو پڑھتے تھے مثلاً دفعہ چہارم کے آخر میں بیان ہوا ہے کہ عمر ایک نسخہ توریت عربی کالائے اور اسے پڑھنے لگے اور تفسیر عزیزی سورۃ اقراء کی تمہید میں مذکور ہے کہ ورقہ بن نوفل چچازاد بھائی خدیجہ کے تھے اور واضح ہو کہ خدیجہ نام اول بیوی حضرت محمدﷺ کا ہے اور پھر حال ورقہ بن نوفل یہ لکھاہے "دین عیسوی رکھتے تھے اور عبرانی کتابوں سے اور توریت اور انجیل سے خوب واقف تھے بلکہ عربی زبان میں ان کا ترجمہ کرتے تھے اور سورہ ضحیٰ کی آیت ہفتم کا ترجمہ اور تفسیر عزیزی میں یوں ہے "اور پایا تجھ کو راہ بھولاہوا۔ اور پھر بتائی راہ تجھے۔ اس ہدایت اور ضلال کا بیان وہ ہے کہ حضرت محمد کو بالغ ہونے کے بعد کمال عقل اور دانائی کے سبب سے اس قدر معلوم ہوا کہ بتوں کی پوجا اور کفر وجاہلیت کی رسمیں سب بے اصل اور پوچ ہیں تو حق دین کے کھوج اور تلاش کے درپے ہوئے۔ پھر اسی سورہ کی آیت ہشتم کی تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت محمد غنی یعنی دولتمند اس طرح ہوئے کہ انکی شادی خدیجہ سے ہوئی اور اس زمانہ میں حضرت محمد کی عمر پچیس سال کی تھی اور ،اور تاریخوں میں مذکور ہے کہ خدیجہ بیوہ تھیں اور بڑی مالدار سوداگر مکہ کی تھیں اور بوقت شادی کے حضرت محمد سے اس بیوہ کی عمر چالیس سال کی تھی اور مدت پہلے سے اس شادی کے حضرت محمد بطور گماشتہ یارکن خدیجہ کے مقرر ہوئے تھے کہ اس بیوہ کی طرف سے واسطے تجارت کے ملک شام وغیرہ کوجایا کرتے تھے اور واضح ہو کہ تاریخ طبری کا ترجمہ فارسی میں بلعامی نے کیاہے اور اس ترجمہ میں نسبت خدیجہ کے یہ لکھاہے۔ خدیجہ کتابہائے پیشن خواند بود خبر ہائے پیغمبراں دانستہ یعنی خدیجہ نے پہلی کتابیں یعنی توریت اور انجیل پڑھی تھیں اور خبریں پیغمبروں کی جانی تھیں۔ ظاہر ہے کہ خدیجہ زبانیں عبرانی اور سریانی اور یونانی سے واقف نہ تھیں کہ توریت اور انجیل کو ان بولیوں میں مطالعہ کرتیں پس متحقق ہوا کہ ان کتب مقدسہ کے عربی ترجمے اور ،اور خلاصے بزمانہ حضرت محمد مکہ اور مدینہ میں مشتہر تھے جوآیت قرآنی شروع میں اس دفعہ کے نقل ہوئی اس میں یہ منع نہیں ہے کہ حضرت محمد ان ترجموں کو سنتے ہوں بلکہ اسی آیت کی تفسیر سے ثابت ہے کہ وہ کتب سماوی کی بوساطت اہل کتاب کے سماعت کرتے تھے اور چونکہ حضرت محمد عمر بلوغیت سے متلاشی دین حق کے ہوئے اور خدیجہ اور ورقہ بن نوفل ان کے ملاقاتی مفصل ہوئے تو ظاہر ہے کہ زمانہ متلاشی و تحقیق میں حضرت محمدﷺ نے بہت ہی کچھ توریت اور انجیل سے بوساطت ترجموں عربی کے سماعت کیاہوگا اور اس طریق سے روش کلام کتب سماوی کے عادی ہوئے ہونگے اور یہ بات کہ حضرت محمد کو شروع سے علماء اہل کتاب کے کلام کو سماعت کرنیکا اور یاد رکھنے کا شوق تھا قصہ قس سے کہ دفعہ آئندہ میں مذکور ہے معلوم ہوگی۔

دفعہ(12) تحفہ اثناء عشریہ مصنفہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فصل دوم کیدسی 37وہفتم میں نسبت قس بن ساعدہ کے کہ اسقف یعنی پادری قوم نصاریٰ نجران کا تھا یہ لکھاہے واز حال قس بن ساعدۃ الایادی انقدر کہ ابن عباس روایت نمودہ است قال ان وفد بکر بن وائل قد مواعلیٰ رسول ﷺ فلما فرغوامن حوائجھم قال رسول ﷺ فیکم احد یعرف قس بن ساعدۃ الایاوی قالو اکلنا نعرفہ قال مافعل قالو اھلکہ فقال رسول ﷺ کانی بہ علی جمل احمر برکاظ قایما یعقول ایھا الناس احتموا واسمعوا وسمعوا عوافکل من عاش مات وکل من مات فات وکل ماھوات آتٍ ان فی السماء لنجراً وان فی الارض لعبراً عماد موضوع وسقف مرفوع وجار تمور وتجارۃ لن تبور کیل داج وسماء ذات ابراج واقسم قس حقالن کان فی الارض لیکونن بعدہ سخط وان اللہ عزت قدرت دنیا سواحب الیہ من دینکم الذی انتم علیہ مالی اری الناس یذھبون فلایرجعوا رضوفاقامولام ترکوفناہوا۔ اس عربی عبارت کا ترجمہ فارسی کتاب تحفہ اثناعشریہ کے حاشیہ پر یہ لکھاہے کہ یعنی گفت کہ ہر آئنہ واران قوم بکر بن دایل رسید ندبرسول خداﷺ پس ہر گاہ فارغ شد ند از مطلب خود فرمود رسول ﷺ آیا درمیان شماسی است کدمیشنا سد قس بن ساعدہ ایادی را گفتند باہمہ شناسیم اور افرد موچہ شد اور گفتند

مردیس فرمود رسول خدا ﷺ گویا من الحال می بینم اور ابر شتر سرخ در بازار عکاظ استادہ میگفت اے مردم جمیع شوید وبشنوید یا گیرید ہر کہ زندہ ماند مردو ہر کہ مرد فنا شد و ہرچہ آئندہ یقین آئندہ است ہر آئنہ درآسمان خبرے ہست دہر آئنہ در زمین عبر تہاست ستونی است نہادہ وسقفی ایستادہ ودریاست موج زندہ وسواد نیست بی نقصان شبے تاریک است وآسمانی ہست صاحب برجہا قسم براستی کہ اگر باشد درکار پسندیدگی البتہ خواہد بود بعد ازاں نا پسندیگی ہر آئنہ نزد خدا کہ غالب است قدرت اودینی است دوست تراست پیش اوازین شما کہ بروہستید چیست کہ مے بینم مردم امیر ندر باز نمی آیند آیا خوشنو شد ندپس آقامت کروند یا گذاشتہ ندپس خستہ شدو ترجمہ ابن عباس نے کہا کہ جب وارد ہونے والے لوگ قوم بکر بن وائل کے پاس رسول ﷺ کے پہنچے اور اپنے مطالب سے فارغ ہوئے اس وقت رسول ﷺ نے فرمایا آیا تم میں کوئی شخص ہے کہ قس بن ساعدہ ایادی کو جانتا ہے انہوں نے کہا ہم سب اس کو جانتے ہیں فرمایا اس کا کیا حال ہوا انہوں نے کہا وہ مر گیا اس کے بعد رسول ﷺ نے فرمایا کہ گویا میں اس کو ابھی دیکھ رہا ہوں کہ شتر سرخ پر بازار عکاظ میں کھڑا ہوا کہتا ہے کہ (کلام قیس) اے آدمیوں جمع ہو اور سنو اور یاد رکھو جو کوئی زندہ ہوا وہ مر گیا اور جو کوئی مر گیا وہ فن ہوا اور جو کچھ آئندہ ہے وہ یقین آئندہ ہے۔ یقیناً آسمان میں خبر ہے اور زمین عبرتیں ہیں ایک ستون قائم کیا گیا ہے اور ایک سقف کھڑا ہے اور وہ دریا لہر مارنے والا ہے اور فائدہ یہ ہے بے نقصان رات تاریک ہے اور آسمان صاحب برجوں کا ہے۔ قس راستی سے قسم کھاتا ہے کہ اگر کام میں پسندیگی ہووے تو بعد اس کے ناپسندیدگی ہوگی یقیناً پاس خدا کے کہ اسکی قدرت غالب ہے ایک دین ہے کہ اس کے نزدیک دوست تر ہے تمہارے دین سے کہ اس پر تم چلتے ہو کیا ہے کہ میں آدمیوں کو دیکھتا ہوں اور روانہ ہوتے ہیں اور واپس نہیں آتے آیا خوشنود ہوئے پس وہ قائم ہوئے یا ترک کئے گئے پس وہ خفتہ ہوئے۔ پھر تحفہ کے مقام مذکور میں یہ لکھا ہے کہ ثم انشد ابوکر شعرا کان محفظ بیت فی الذاہبین الاولین من القرون لنا بصائر۔ لمارات موارد اللومت میں لہا مصادر ۔ورائت قومی لخوہا یسعی الاصاغر والاکابر۔ لایرجع لہ صنی الی ولامن باقین غابر القینت فی الا صحالتہ حیث صارا القوم صائر ۔ ترجمہ فارسی : باز بر خواند ابوبکر شعری کہ کیا یاد داشت از قس در گذشتگان پیشنیاں از قر نہا مارا عبر تہا است۔ ہر گاہ دیدم محل درو کہ موت است نیست اور امحل رجوع ۔ ویدوم قوم خود را بسوئے من مکا نہامید ہند خورو بزرگ ۔ باز نمی آید گذشتہ بسوئے من ونہ از پسماندگاں کسی باقی خواہد ماند یقیں کردم کہ من ہم بضرورت جائے کہ رفتند قوم روندوام ۔ ترجمہ اردو پھر ابوبکر نے شعر قس کا جو اس یاد تھا پڑھا ۔ بیت پہلے لوگ زمانوں گذشتہ کے میرے لئے عبرتیں ہیں جب میں نے محل درموت کے دیکھے تو نہیں ہے اس کے لئے محل رجوع اور میں نے دیکھا اپنی قوم کے لوگوں کو مجھ کو مکان دیتے ہیں چھوٹے اور بڑے (یعنی مرتے چلے جاتے ہیں) وہ میرے پاس واپس نہیں آتے اور نہ کوئی پسماندوں سے باقی رہیگا ۔ میں نے یقین کیا کہ میں بھی بضرورت اسی جائے جانے والا ہوں جہاں میری قوم گئی ۔

واضح ہو کہ اہل شیعہ بعض اور عبارتیں سواء اس کے جو اوپر نقل ہوئی قس کی طرف بلا سند مکمل اور وجہ معقول منسوب کرتے ہیں اور تحفہ میں وہ عبارت جعلی بھی پہلے نقل کی گئی ہے پس شاہ عبد العزیز صاحب اس کی تردید میں یہ لکھتے ہیں ۔ ودرمیان ایں عبارت وعبارت سابق کہ بسوئے قس نستب کردہ اند فرق آسمان وزمین است بجمع تعاۃ عربیہ وحشیہ بلاغت حاصل نمیشود وتس از ابلغ بلغا۔ عرب بود عبارت سابق بوئے از بلاغت ندارد غیر ازانکہ لغات قاموسید دراں جمع نموند چنانچہ برداتا فن بلاغت پوشیدہ نخواہد یعنی اور درمیان اس عبارت اور عبارت سابق کے کہ اس کو قیس کی طرف منسوب کیا ہے فرق زمین وآسمان کا ہے وحشی نعتوں عربی کے جمع کرنے سے فصاحت نہیں حاصل ہوتی ہے اور قس نہایت فصیح فصحاء عرب سے تھا عبارت سابق بوفصاحت کی نہیں رکھتی سوائے اسکے کہ اس میں نعت قاموس کے جمع کئے ہیں چنانچہ فن فصاحت کے جاننے والوں پر پوشیدہ نہ ہوگا۔

دفعہ (13) دفعہ گذشتہ میں حال قس کا روایت ابن عباس سے بیان ہوچکا سوائے اس کے اس کا ذکر بعض اور کتابوں میں دیکھا گیا ہے سو اس کو بھی نقل کرتے ہیں۔ سورۃ نساء کی آیت ہشتادو پنجم میں یہ لکھا ہے ترجمہ: اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر تو تم شیطان کے پیچھے جاتے مگر تھوڑے ۔یعنی اے عرب کے لوگو اگر فضل خدا سے تم کو وعظ قرآن کا نہ کیا جاتا تو تم گمراہ شیطان کے بندے رہتے الا ایک قلیل جماعت عربوں کی جو بغیر تعلیم قرآن کے توریت اور انجیل پر ایمان لائے اور بت پرستی کو ترک کیا چنانچہ قاضی بیضاوی اس جماعت قلیل کی نسبت یہ

لکھتا ہے کہ زید عمرو بن نفل ورقہ بن نوفل یعنی مثل زید بن بفیل اور ورقہ بن نوفل اور تفسیر حسینی میں لکھا ہے : وگفتہ اند قلیل جماعتے اندک کہ قبل از بعث رسول و نزول قرآن بمحض موہبت الٰہی راہ راست یافتند چوں ورقہ بن نوفل وقیس بن ساعدہ وہ بحیر راہب وزید بن عمرو وسنیف بن ذی یزن وامثال الیشاں یعنی اور کہا ہے کہ قلیل ایک جماعت اندک کہ انہوں نے قبل ظہور رسول محمد ﷺ صاحب نزول قرآن کے محض خدا کے ڈر سے راہ راست پالیا تھا مثلاً ورقہ بن نوفل اور قیس بن ساعدہ اور بحیر راہب اور زید بن عمر اور سنیف بن ذی یزن اور ، اور ان کی امثال نے۔

ظاہر ہے کہ اس جائے قس بن ساعدہ کو قیس بن ساعدہ لکھا ہے۔ اور سیر محمدی تصنیف جناب ولیم میور صاحب بہادر سکترا اعظم گورنمنٹ ہند زبان انگریزی مطبوعہ 1861ء کی جلد دوم باب دوم صفحہ دہم میں یہ لکھا ہے کہ از کتاب وعقدی صفحہ 64 جہاں ذکر ہے کہ قوم بنی بکر ابن داہل نے ایلچی نبی یعنی حضرت محمد پاس بمقام مدینہ ارسال کئے۔ پھر یہ قوم ہے۔ فقال اللہ رجل منھم ھل تعرف قس ابن ساعدۃ فقال رسول اللہ لیس ھو منکم ھذا رجل من ایاد تخفف فی الجاھیلتہ فوافی عکاظ والناس مجمون بکلام الذی حفظ عنہ یعنی ایک نے ان میں سے حضرت محمد سے کہا کیا تو جانتا ہے قس بن ساعد کو پس رسول اللہ نے کہا وہ تم میں سے نہ تھا وہ ایک مرد قوم آیا تھا جنے دین حق زمانہ جاہلیت میں اختیار کیا تھا اور وہ میلہ بازار عکاظ میں گیا تھا جہاں لوگ مجتمع تھے پس اس نے ان سے کلام کیا جو کلام اس سے یاد ہے۔ اور یہ کلام قس کا محمد صاحب کو یاد تھا۔ چنانچہ تحفہ سے نقل ہوچکا ہے اور یہاں سے شوق اور حافظ محمد صاحب کا ظاہر ہے کیونکہ کتاب وعقدی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت محمد نے وعظ قس کا جو اسقف یا سردار یادی قوم نصاریٰ نجران کا تھا بازار عکاظ میں سنا تھا اس وقت آنحضرت کی عمر بیس سال سے کم تھی اور واضح ہو کہ موافق قرآن کے قبل زمانہ حضرت محمد کے فقط دین عیسوی دین حق اور دین حنفی اور دین اسلام تھا چنانچہ سورہ بروج کی آیت ہفتم میں عیسایئوں کو کہ جن پر بادشاہ ذو نواس نے ظلم کیا مومنین بیان کیا ہے اور مولوی شاہ عبد العزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں اس مقام پر کئی قصے بیان کئے ہیں اور قصہ دوم کے باب میں یہ مرقوم کیا ہے۔ دوسرا قصہ وہ ہے جو نجران کی سرزمین میں ہوا اور وہ شہر یمن کے ملک میں واقع ہے کیفیت اس کی یہ کہ ایک شخص مسلمانوں میں سے کہ اس وقت میں مسلمان انجیل ہی کے تابعدار تھے ایک شخص کے مکان پر آکر نوکر ہوا اور رات دن اس کے دروازہ پر بیٹھا رہتا تھا تاکہ جس کام کا حکم بجالاؤں اس مسلمان شخص کو انجیل مقدس یاد تھی ہمیشہ اس کو پڑھا کرتا تھا اس شخص کی بیٹی کو جس شخص کا یہ نوکر تھا ایسا نظر آیا کہ انجیل پڑھتے وقت ایک نور عظیم اسکے سینے سے نکلتا ہے اور عالم میں پھیل جاتا ہے لڑکی نے اپنے باپ کے سامنے اس عجائیبات کا ذکر کیا تو اس کے باپ نے بھی اس کے انجیل پڑھنے کے وقت سوراخ سے دیکھا کہ فی الواقع ایک نور عظیم ظاہر ہوتا ہے اس نوکر سے پوچھا کہ یہ کلام ہے اور کیا اس کی تاثیر ہے کہ تجھ سے سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں وہ مسلمان وہاں کے بادشاہ کافر کے خوف سے اور رئیسوں کے ڈر سے اس بھید کو چھپاتا تھا لیکن وہ گھر والا اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا اور تنگ تنگ کرتا تھا یہاں تک کہ لاچار ہو کر احوال دین اسلام کا اور انجیل مقدس کا اس سے بیان کیا پس وہ شخص اور اسکی بیٹی فی الفور مسلمان ہوگئے اور انجیل کو پڑھ کر اس کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے رفتہ رفتہ یہ بات اس شہر میں مشہور ہوئی تو 87 آدمی دوسرے مرد اور عورتوں سے شرف اسلام سے مشرف ہوئے یہاں تک یوسف ذی نواس حمیری کا بیٹا کہ بادشاہ اس شہر کا تھا اور بت پرستی میں مستغرق تھا یہ بات سن کر ان سب مسلمانوں کو 90 آدمی تھے اپنے حضور میں بلایا اور ایک خندق کھدوائی اور خوب آگ سے دہکائی اور حکم دیا کہ تم لوگ اگر عیسیٰ عم کے دین سے نہ پھیرو گے تو تم کو آگ میں پھونک دونگا اس جماعت میں بھی ایک عورت تھی بچہ والی کہ دودھ پیتا بچہ اس کی گود میں تھا۔ اس دودھ کے بچے نے آواز بلند سے کہا کہ ہاں بسم اللہ اس آگ میں گھسو کہ بدلا اس آگ کا بہشت ہے سدا رہنے کو پھر بعد اس بات کے کہ مسلمان ہلاک ہوچکے تو بادشاہ اور اس کے مصاحب خندق کے پاس کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ یکایک اس آگ کے شعلے ایسے بھڑکے کہ ان سب کو جلاکے خاک کردیا۔ اور یہ قصہ حضرت عیسیٰ عم کے آسمان پر اٹھ جانیکے بعد واقع ہوا تھا اس روز سے نجران کے لوگوں نے دین نصرانی کو حق جان کر قبول کیا چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک اسی دین پر تھے۔

واضح ہو کہ کتاب سیر محمدی تصنیف جناب ولیم میور صاحب کی جلد اول صفحہ 162 میں موافق تاریخ ہشامی وغیرہ مذکور ہے کہ یہ قصہ ذو نواس کا 523ء میں واقع ہوا اور یہ ذو نواس اصل میں مشرک تھا لیکن بعد ازاں یہودی ہوگیا تھا اور اس یہودیت کے زمانہ میں اس نے ظلم مذکورہ بالا

عیسائی لوگوں نجران پر کیا اور لکھا ہے کہ آگ اور تلوار سے کم از بیس ہزار عیسائیوں کے قتل نہیں ہوئے اور اسی سیر محمدی میں مذکور ہے کہ سن ولادت محمد صاحب کا 570ء تھا پس حضرت محمد سن بلوغ یعنی مثلاً بیس سال کی عمر کے ہوئے ہونگے اس وقت قصہ ظلم ذونواس کو قریب 67 سال گذرے ہونگے اور چونکہ یہ قصہ ملک یمن میں واقع ہوا تھا تو وہ عرب میں مشہور تھا اور چونکہ حضرت محمد عمر بلوغیت سے متلاشی دین حق کے تھے تو اس قسم کے قصوں کی انہوں نے توجہ خاص سے سماعت کی ہوگی۔

دفعہ (14) دفعہ دوازدہم میں مضمون وعظ قس جو اسقف یعنی سردار پادری نجران کا تھا بیان ہوا ہے ۔ اب چاہیے لس وعظ کا مطلب بیان کیا جائے ۔ واضح ہو کہ عکاعظ ایک جائے مابین طائف اور نخلہ کے واقع ہے اور تین منزل مکہ سے ہے ۔ زمانہ جاہلیہ میں اس جائے ہر سال ماہ ذیعقد قبل ایام حج کے ایک میلہ ہوا کرتا تھا اور مختلف قومیں عرب کی وہاں جمع ہوتی تھیں اور اشیاء تجارت کی وہاں لائی جاتی تھیں اور شاعر لوگ ہر قسم کے وہاں اپنے اپنے قصیدے سب کے سامنے پڑھتے تھے اور اس طریق سے شاعری اور فصاحت اور بلاغت کا مقابلہ ہوتا تھا اور جس کی تصنیفات اچھی ہوتی تھیں اس کو عزت ہوتی تھی لیکن اس میلہ میں بعض اوقات شاعر ایک قوم کے دوسری قوم پر کوئی کلمہ طعن وحقارت کا کہتے تھے یا کوئی بات رنج کی واقعہ ہوتی تھی تو یہ موجب وجنگ وقتل کا قوموں مختلفہ میں ہوتا تھا اور جیسے مسلمان لوگ ہندوستان میں ہنود کے میلوں میں جاتے ہیں ویسے ہی یہود نصاریٰ عرب کے بت پرست عربوں کے میلوں میں جاتے تھے اور جیسے عیسائی پادری لوگ اور وعظ کرنے والے ہنود کے میلوں میں جاتے ہیں اور وعظ انجیلی کرتے ہیں ویسے ہی پادری لوگ نصاریٰ عرب کے مثل قس ابن ساعدہ کے میلہ عکاعظ میں جاتے اور وہاں وعظ کرتے تھے خواہ کوئی بھلا کھو خواہ برا اور جیسے کہ ہندوستان میں اکثر سامعین واعظین انجیل کے حکم بندی ہوتے ہیں اور وعظ کرنے والوں کو برا کہتے ہیں اور کفر بکتے ہیں اور بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو متلاشی دین حق کے ہوتے اور پادریوں کے وعظ کو غور سے سنتے ہیں اور دین کی باتیں دریافت کرتے ہیں ویسا ہی حال زمانہ قس میں عرب کا تھا کہ میلہ عکاعظ میں خلقت عرب کی جمع ہوتی تھی اور پادری لوگ مثل قس کے وہاں وعظ کرنے جاتے تھے اور بعضے لوگ عرب کے جو اس وعظ کو سنتے تھے متلاشی دین حق کے بھی ہوتے تھے چنانچہ یک ان میں سے حضرت محمد یقیناً تھے کیونکہ انکو بعد قریب 35 سال کی اس وقت ان کی عمر 55 سال کی تھی کلام قس کا اس خوبی سے یاد رہا گویا کہ وہ اس اسقف یعنی سردار پادری کو سرخ اونٹ پر سوار وعظ کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ مضمون وعظ قس کا کہ دفعہ 12 میں مذکور ہوا یہ ہے کہ اول تنبیہ اس امر کی کہ انسان کا حال تباہ ہے کہ جو آدمی پیدا ہوتا ہے وہ بالضرور مرتا ہے اور خاک میں مل جاتا ہے اور فناہ ہوتا ہے ۔ دوم ایمان قیامت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ آئندہ ہے اور خدا کو اس کی خبر ہے اور اسکی کارسازی سے زمین پر عبرتیں ہیں واسطے اہل غور اور فکر کے۔ سوئم بشارت انجیلی کا ذکر ہے یعنی ایک ستون قائم کیا گیا ہے اور واضح ہو کہ انجیلی میں ستون سے جماعت کل سچے عیسائیوں کی مراد ہے کہ اس کے اجزاء اور افراد دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور اس جماعت مسیحی کو کلیسیا اور بیت اللہ اور ستون راستی کا کہتے ہیں کیونکہ اسی جماعت کی وساطت سے ہدایت اور نور انجیلی غیر قوموں کو حاصل ہوتا ہے اور خود اس جماعت کے فردوں کو بھی تقویت ایمان ہوتی ہے چنانچہ حضرت پولوس مقدس کے نامہ اول بنام طمیطوس باب سوئم آیت 15 میں یہ لکھا ہے اگر دیری ہوجائے تو تو ان باتوں سے جان رکھے کہ خدا کے گھر میں جو زندہ خدا کی کلیسیا اور راستی کا ستون اور ٹیک ہے کیونکر گذران کیا چاہیے ۔ پس قس میلہ عکاعظ میں مشرکوں عرب اور منکرین یہود کی طرف مخاطب ہو کر خبردار کرتا ہے کہ ایک ستون قائم کیا گیا ہے یعنی ایک جماعت ایمانداروں کی کہ دین حق انجیلی کے تابع ہیں قائم کی گئی ہے اور پھر کہتا ہے کہ ایک سقف کھڑا ہے اور واضح ہو کہ اسقف اور اسقف کے معنی واحد ہیں سردار پادری ۔ چنانچہ الارب میں یہ لکھا ہے (اسقف) بالضم وتشدید الفاء پیشوائے ترسایان دردین یا بادشاہ فروتنی نمائندہ درفتار ورش خود دانشمند ایشاں یا بالاتر ز قسیس وکمتر از مطر آں سقف کقفل وسقف بضمین مع شدہ الاف مثلہ فی الکل۔ پس جو موافق ترجمان فارسی کے لکھا ہے یعنی وسقفی ایستادہ رواس سے یہ مراد ہوئی کہ ایک پیشوائے دین ترسایاں یعنی سردار پادری نصاریٰ عرب کا کھڑا ہوا وعظ کررہا ہے یعنی قس اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں اسقف نجران ہوں تعلیم وتدریس کے لئے خدا کے حکم سے مقرر ہوں لیکن اصل عربی عبارت یوں ہے وسقف مرفوع یعنی اور سقف بلند کیا گیا اور چونکہ انجیل میں لفظ اسقف واسطے سیدنا مسیح کے بھی آیا ہے کیونکہ وہ پیشوائے کل پیشوایان دین عیسوی کے ہیں اور

آسمان کی طرف بلند کئے گئے ہیں چنانچہ قرآن میں یہ بھی نسبت مسیح کے ایکجائے لکھاہے کہ رافعکہ الی یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں تجھ کو اپنی طرف بلند کرونگا اور پھر ایک اور جائے لکھا ہے رفع اللہ الیہ یعنی خدا نے اس کو اپنی طرف بلند کیا یعنی اٹھالیا پس اس جملہ وسقف مرفوع کا ترجمہ اور اسقف بلند کیا گیا یعنی سیدنا مسیح کہ پیشوائے حقیقی دین عیسوی کے ہیں آسمان کی طرف اٹھا یا گیا درست معلوم ہوتا ہے۔

پھر قس اپنے وعظ میں کہتا ہے کہ دریا لہر مارنے والا ہے اور اسکی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس دنیا میں بڑے خلل اور دقتیں ہیں اور اکثر لوگ مخالف حق دین کے ہیں۔

پھر کہتا ہے کہ تجارت بے فائدہ نہیں ہے گو دریا لہر مارتا ہے اور خوف ہے کہ جہاز تجارت تباہ ہوئے یعنی گو دنیا میں بہت خلل ہیں لیکن دینداری میں فائدہ ہی ہے ۔

پھر کہتا ہے کہ رات تاریک ہے اور آسمان پر برج یعنی ستارے تابندہ ہیں اس کے شائد یہ معنی ہوں کہ اس دنیائے فانی میں تاریکی اور جہل اور ناخدا پرستی ہے لیکن آسمان میں نور خدا ہے اور وہیں سے بذریعہ وحی ہدایت حیات ابدی ہے ۔ پھر تاکیداً اور تصدیقاً کہتا ہے کہ اس دنیا کے کاموں میں گو شروع میں خوشی حاصل ہو لیکن آخر رنج اور دکھ ہے اور صاف صاف بیان کرتا ہے کہ اے مشرکین عرب اور یہودیان سرکش اس میلہ عکاعظ میں جمع ہو اور خدائے قادر مطلق کا ایک دین ہے جو بہتر ہے اس دین سے جس کو تم پیروی کرتے ہو یعنی قس سردار پادری نجران کا لوگوں کی طرف دین عیسوی کی دعوت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بغیر اس دین کے انسان کو کچھ امید نہیں اس کا حال تباہ ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ آدمی اس دنیا سے روانہ ہوتے ہیں یعنی مرتے ہیں اور پھر واپس نہیں آتے انکا کچھ حال معلوم نہیں آیا وہ خوش ہوئے اور وہ جی اٹھے یا وہ ترک کئے گئے اور سو گئے۔

دفعہ (15) دفعہ یا ردہم وغیرہ گذشتہ سے ظاہر ہے کہ عمر بلوغیت سے حضرت محمد ﷺ متلاشی دین حق کے ہوئے تھے اور اس تلاش اور تحقیق کے ان کو بہت موقع اور قابو حاصل تھے چنانچہ قریب بیس سال کی عمر میں وہ میلہ یا بازار سالانہ عکاعظ میں جاتے تھے اور درس اور وعظ قس کا کہ سرادر یا پادری نصاریٰ نجران تھا سنتے تھے اور چونکہ اس میلہ میں فصحا اور شعراء عرب تقریریں اور کلام کرتے تھے پس یقیناً ان کے کلام کو بھی حضرت محمد سنتے ہونگے اور اس طریق سے حضرت محمد کو فصاحت اور روش کلام کتب مقدسہ کی معلوم ہوئی اور یہ بول چال اور فصاحت بت پرست عربوں کو ہرگز معلوم نہ تھی اور علاوہ ازیں بسبب سماعت کلام شعراء اور فصحاء مشرکین کے کہ بلاشبہ میلہ عکاعظ میں شعر خوانی اور تقریریں کرتے تھے حضرت محمد ﷺ کو اپنی قوم کی فصاحت کا علم بھی ہوا۔ علاوہ ازیں جب مستحق ہوا کہ عمر بلوغیت سے حضرت محمد اپنی قوم کی بت پرستی سے ناراض ہوئے اور دین حق کی تلاش میں مصروف اور سرگرم ہوئے اور بیس سال کی عمر میں وعظ قس کو سنتے تھے اور پچیس سال کی عمر کے پہلے گماشتہ تجارت خدیجہ کے مقرر ہوئے اور اسلئے شام وغیرہ کو اسباب تجارت لے جاتے تھے اور پچیس سال کی عمر میں ان کی شادی خدیجہ سے ہوئی کہ وہ چالیس سال کی عمر کی تھی اور کتب مقدسہ توریت اور انجیل اس نے پڑھی تھیں اور حالات انبیاء سے واقف تھی اور اس کا چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل دین عیسوی رکھتا تھا اور عالم تھا اور توریت وانجیل سے ترجمہ عربی کرتا تھا پس کیونکر تصور کیا جائے کہ حضرت محمد نے مضامین توریت وانجیل زبان عربی میں خدیجہ اور ورقہ بن نوفل سے نہیں سنے بلکہ قیاس عقلی اس کا متقاضی ہے کہ حضرت محمد نے یقیناً تحقیق دین حق کی خدیجہ اور ورقہ بن نوفل سے کی ہو اور مضامین توریت اور انجیل کے سماعت کئے ہوں کیونکہ وہ متلاشی دین حق کے پہلے سے تھے اور وعظ اور درس واعظین نصاریٰ مثل قس کے سن چکے تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ورقہ بن نوفل عیسائی کو معلوم ہوا ہوگا کہ محمد صاحب کو تلاش دین حق کی ہے اور وہ اپنے باپ دادا کے مذہب شرک سے نفرت کرتے ہیں تو اس کو بھی شوق دلی ہوا ہوگا کہ حضرت محمد ﷺ کو توریت اور انجیل کی تعلیم کرے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خدیجہ بھی میل طرف دین عیسوی کے رکھتی تھی کیونکہ بلعامی لکھتا ہے کہ اس نے توریت اور انجیل کو مطالعہ کیا تھا اور حضرت محمد سے پندرہ سال عمر میں زیادہ تھی پس اس نے ضرور مضامین کتب مقدسہ کے ان کو بتائے ہونگے پس اس طریق سے بھی روش کلام اور تقریر رعب واب اور فصاحت کتب مقدسہ کی بزبان عربی حضرت محمد کو معلوم ہوئی۔

عرب میں خصوصاً اور ملکوں میں بھی یہ حال تھا اور ہے کہ شاعر لوگ فصیح ہوتے تھے اور فصحا شاعر ہوتے تھے چنانچہ قس فصحاء اور بلغا عرب سے تھا لیکن وہ شاعر بھی تھا چنانچہ اس کے شعر بھی

دفعہ 12 میں نقل ہوئے ہیں پس قرآن میں فصاحت کتب مقدسہ سابقہ سے پائی جاتی ہے اور فصاحت شاعرانہ بھی قرآن میں جا بجا جھلکتی ہے چنانچہ عبارت متقفی کی مثال قرآن سے آگے نقل ہوتی ہے۔ سورت شمش :

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَاوَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَاوَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَاوَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَاوَالسَّمَاء وَمَا بَنَاهَاوَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَاوَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَافَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَاقَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَاوَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَاكَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَاإِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَافَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَافَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَاوَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا

سوائے سورۃ بالا کے اور مقام قرآن میں بلاشبہ عبارت متقفی ہیں مثلاً سورہ الیل وغیرہ اور عربی اور فارسی خوانوں کے نزدیک عبارت متقفی ایک جزو اعظم فصاحت کا ہے چنانچہ ہمارے شہر دہلی میں مشہور اور نامور شاعر فارسی مرزا نوشہ صاحب ہیں پس جو عبارتیں اردو بھی ان کے اور ان کے شاگردوں کی دیکھنے میں آتی ہیں وہ سب متقفی تھیں۔ سوائے اس کے شاعری میں تشبیہ بھی ایک بڑی خوبی ہے مثلاً تشبیہ معشوق کے حسن کے لئے اور اس کی بھی مثالیں قرآن میں ہیں چنانچہ سورہ رحمٰن کی آیت 58 میں تشبیہ حسن حوروں جنت قرآنی کی یہ بیان کی ہے : كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ترجمہ: یعنی وہ حوریں مثل لال اور مونگے کے ہیں۔ پھر سورہ واقعہ کی آیت 22: وَحُورٌ عِينٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ یعنی اور گوری عورتیں بڑی آنکھوں والی مثل لپٹے موتی کے ہیں۔ سورہ طور کی آیت 24 میں بھی مثال حسن غلمان کی بیان کی ہے اور واضح ہو کہ غلمان ان لڑکوں غلاموں سے مراد ہے جو سوائے حوریوں کے ہر ایماندار ی محمدی کے لئے جنت قرآنی میں وعدہ کئے گئے ہیں تا کہ وہ اسکی خدمت میں حاضر رہیں اور یہ لڑکے نہایت خوبصورت اور آراستہ وپیراستہ ہونگے۔ سورہ انسان کی آیت 19 میں ان لڑکوں کے حسن کی یہ مثال بیان کی ہے : وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ترجمہ اور پھرتے ہیں ان کے پاس لڑکے سدا رہنے والے جب تو ان کو دیکھے خیال کرے موتی ہیں بکھرے۔ غرض یہ کہ اس شاعرانہ فصاحت عبارتوں قرآن کو مشاہدہ کرکے کفار قریش کو قدر توحید خدا اور آخرت کی نہیں جانتے تھے فقط عناد اور عداوت سے حضرت محمد کو دیوانہ شاعر کہتے تھے اور اس کے جواب میں حضرت محمد کہتے تھے کہ یہ نہیں بلکہ میں وہ دین حق بیان کرتا ہوں جو سلف کے رسولوں نے تعلیم کیا اور یہ ہر گز نہیں کہا کہ یہ شاعرانہ فصاحت عبارتوں قرآن کی خدا کی فصاحت ہے۔ چنانچہ سورہ صافات کی آیت 36 میں قول کفار یہ لکھا ہے : وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ترجمہ: اور کہتے ہیں کیا ہم چھوڑ دینگے اپنے ٹھاکروں کو کہنے سے ایک شاعر دیوانہ کے۔ اس کا جواب آیت آئندہ میں حضرت محمد کی طرف سے یہ ہے آیت 37 : بَلْ جَاء بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ یعنی یوں نہیں بلکہ وہ دین حق لایا ہے اور سب رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اگر غور کرکے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ عبارت جواب حضرت محمد کی مشرکوں کے اعتراض کی عبارت سے مقفی ہے کیونکہ آواز مجنونن اور مرسلین میں قدرے ہی فرق ہے لیکن نغمہ کی عبارتیں اور تک بندی اور شاعرانہ فصاحت قرآنی خدا تعالیٰ نے بطریق نزول وحی کے حضرت محمد کو نہیں تعلیم کی تھیں بلکہ طریق مروجہ بوساطت آدمیوں کے تعلیم کیں تھیں چنانچہ دفعہ آئندہ سے ظاہر ہوگا۔

دفعہ (16) سورہ یس کی آیت 69 اور 70 میں یہ لکھا ہے : وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ لِيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ترجمہ: اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا وہ قرآن تو کچھ اور نہیں ہے مگر نصیحت صاف تا کہ خوف دلائے اس کو جس میں جان یعنی سمجھ ہے اور ثابت ہو قول کفار پر۔

اس جائے خود قرآن سے ثابت اور متحقق ہوا کہ مقصد قرآن اظہار کمال شاعری اور فصاحت اور بلاغت کا نہیں ہے بلکہ وہ فقط ایک کتاب وعظ ہے تا کہ جو لوگ صاحب فہم اور غور ہوں اور نصیحت حاصل کریں اور کفار پر تنبیہ ہو کہ وہ عذاب شدید میں گرفتار ہونگے چنانچہ بیضاوی معنی قول کے کلمتہ العذاب بیان کرتا ہے۔

نسبت اس کے خدا نے حضرت محمد ﷺ کو شعر کہنا تعلیم نہیں کیا۔ بیضاوی میں یہ مذکور ہے رد لقوھم ان محمد اشاعر ای ماعلمنا الشعر بتعلیم القرآن فانہ غیر مقفی ولاموزون۔ یعنی تردید قول کفار کی کہ محمد ایک شاعر ہے یعنی ہم نے تعلیم کیا اس کو فن شاعری ساتھ تعلیم قرآن کے کیونکہ وہ قرآن غیر مقفی اور غیر موزون ہے۔ یعنی فضل خاص خدا سے یہ بات ہوئی کہ حضرت محمد کو عمر بلوغیت سے بت پرستی اپنی قوم سے نفرت ہوئی اور وہ متلاشی دین حق کے ہوئے اور میلہ

عکاظ میں جا کر وہ وعظ تدریس پادریوں نصاریٰ مثل قیس وغیرہ کی سماعت کرنے لگے اور آخر کا قریب چالیس سال کی عمر میں فقط آپ ہی مسلمان نہ ہوئے بلکہ منذر اور واعظ واسطے تعلیم مسلمانی اپنی قوم کے مقرر ہوئے اور یہ جو فصاحت شاعرانہ قرآن میں ہے وہ کوئی فضل خاص خدا کا نہ تھی وہ تو ایسی بات تھی جیسکہ بولنا زبان عربی کا کیونکہ انکا وطن ملک عرب کا شہر مکہ تھا پس سماعت شعر خوانی شعراء عرب سے کہ میلہ عکاظ وغیرہ میں جمع ہوتے تھے حضرت محمد کو اس قسم کی فصاحت بھی حاصل ہوگئی تھی چنانچہ یہ فصاحت شاعرانہ موافق عادت اور طبعیت حضرت محمد کی قرآن میں جھلکتی ہے جیسے بیان اور ثابت ہوچکا اور یہ قول بیضاوی کہ قرآن میں عبارتیں قافیہ بند نہیں ہیں صریح خلاف واقع ہے کیونکہ عبارتیں مقفیٰ اور تشبیہات شاعرانہ قرآن سے دفعہ نقل ہوچکی ہیں باقی رہا شعر کا موزون کہنا یہ بھی حضرت محمد کو بلاشبہ معلوم تھا چنانہ آگے ہوگا۔ اس دفعہ کے شروع میں دو آئیتں قرآن سے نقل ہوئی ہیں ان کا ترجمہ اور مطلب صاحب تفسیر حسینی یوں بیان کرتا ہے آوردہ اند کہ کفار مکہ میگفتند کہ حضرت محمد شاعر است حق کا سبحانہ ور قول ایشاں میفرمائد (69) دنیاموختیم ما محمد راشعر و نشائد اور اشعر گفتن چہ اگر شعر گفتی شبہ بدل قوم درآمد کے قدرت اور بر نظم قرآن دا فصاح آں از قوت فطانتی است کہ درشاعری دار پس حق بحانہ اور اشعر نیاموخت تاآں شبہ طاری نشودوہر گاہ کہ آنحضرت عم بیتی برسبیل تمثیل آوافرمودے برزبان مبارک او برہے کہ از سمت وزن انحراف واشتے جاری شد چنانچہ ایک نوبت فرمود۔ کفی الاسلام والشیب للمرناھینا۔ ابوبکر صدیق کفت یارسول اللہ قائل گفتہ است کفی اشیب والاسلام للمرناھینا حضرت بہماں نوع کہ اول خواندہ بود درثانی تکرار فرمود ابوبکر فرمود کہ اشھد انلک الرسول اللہ وما علمکہ الشعر وماینبغی للکہ واز کلمات حضرت آنچہ موزون دارد شدہ مانند انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب بے تکلف وقصد بود نیست آنچہ ماباد آموخیتم مگر نیرے دار اشارے وکتابے روشن درمعنی حقائق یا روشن کنندہ احکام وحدود کر فرستادہ ایم(70) تابیتم کند یامنتفع گرادند قرآن یا محمد عم ہر کرا باشد زندہ دل یعنی عاقل و بافہم چہ غافل وجاہل بمشابہ مردہ است الخ۔ واجب میشود کلمہ عذاب برنا گردیدگاں کہ قرآن راقبول نمکینند ۔ ترجمہ روایت ہے کہ کفار مکہ کہتے تھے کہ محمد شاعر ہے حق بحانہ ان کے قول کے رد میں فرماتا ہے (69) اور ہم نے نہیں سکھایا محمد کو شعر اور شعر کہنا اس کو لائق نہیں کیونکہ اگر وہ شعر کہتا تو اسکی قوم کے لوگوں کے دل میں شبہ آتا کہ اسکی قدرت عبارت اور فصاحت قرآن کی قوت ادراک سے ہے کہ شاعری میں رکھتا ہے پس حق سبحانہ نے اس کو شعر نہ سکھایا وہ شبہ طاری نہ ہو اور جب آنحضرت کوئی آیت بیت بطریق تمثیل کے ادا فرماتے تو وہ زبان مبارک سے اس طرح ادا ہوتے کہ اس کو صورت وزن سے انحراف ہوتا چنانچہ ایک نوبت فرمایا کفی الاسلام والشعیب للمرناھیا۔ ابوبکر صدیق نے کہا یارسول اللہ اس بیت کے کہنے والے نے یوں کہاں ہے کہ کفی الشیب والاسلام للمرناھیا۔ حضرت نے اسی طور سے کہ اول پڑھا تھا دوبارہ فرمایا۔ ابوبکر صدیق نے فرمایا میں شہادت کرتا ہوں کہ تو رسولِ خدا ہے اور نہیں تجھکو سکھایا شعر اور نہیں لائق تیرے۔ اور کلمات جو حضرت سے موزون وارد ہوئے مثل انا النبی لا کذب انا بن عبدالمطلب کے وہ بے تکلف اور بے اراہ تھے جو کچھ ہم نے اس کو سکھایا ہے وہ نہیں ہے مگر پند اور ارشاد اور کتاب روشن معانی حقائق میں یا روشن کرنے والے احکام اور قوانین سزا جو ہم نے ارسال کئے (70) تاخوف دلائے یا نفع بخشے قرآن یا محمد عم ہر کسی کو کہ زندہ دل ہو یعنی عاقل اور سمجھدار کیونکہ غافل اور جاہل مشابہ مردہ کے ہے اور واجب ہوئے حکم عذاب کا بے ایمان پر کہ قرآن کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ اسی کے قریب معالم میں مذکور ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ صاحب تفسیر حسینی بیان کرتا ہے کہ خدا نے عل شاعری محمد صاحب کو اس واسطے نہیں تعلیم کیا کہ اس صورت میں مشرکین مکہ گمان کرتے کہ چونکہ حضرت محمد ایک شاعر ہیں تو اسی باعث سے ان کی کتاب قرآن بھی فصیح ہے لیکن اسی دلیل سے یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ خدا نے حضرت محمد کو علم فصاحت ہرگز تعلیم نہیں کیا یعنی قرآن کی عبارت کو ہرگز فصیح نہ بنایا کیونکہ اگر ایسا کرتا تو کفار مکہ شبہ کرتے کہ چونکہ حضرت محمد کی کتاب قرآن فصیح ہے تو یقیناً حضرت محمد ایک شاعری ہیں چنانچہ مشرکین قریش نے یہی الزام دیا اور موافق تقریر حسینی کے انکا الزام بجا تھا پس اگر قرآن میں دعویٰ فصاحت ہوتا تو خدا نے غلطی کی نعوذ باللہ ایجادات علماء اہل اسلام سے حقیقت یہ ہے کہ سارے قرآن میں بلکہ معتبر حدیثوں میں بھی دعویٰ فصاحت وبلاغت نظم قرآن کا پتہ نہیں ہے اور چونکہ شاعری اور فصاحت عبارت اکثر ایک دوسرے کی ساتھی ہوتی ہیں اور چونکہ قرآن میں عبارتیں مقفیٰ اور تشبیہات شاعرانہ یقیناً موجود

ہیں۔ پس جب حضرت محمد نے یہ اقرار کہ خدا نے مجھ کو شاعری نہیں سکھائی تو تحقیق دو باتیں آئندہ ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ حضرت محمد نے صاف انکار دعویٰ فصاحت قرآن کا کیا یعنی یہ دعویٰ کہ فصاحت قرآن فصاحت خدا ہے اور کوئی آدمی مثل اسکے نہیں لکھ سکتا ہے ہر گز نہیں کیا دوئم یہ کہ حضرت محمد نے صاف صاف ظاہر کیا کہ عبارت قرآن خدا کی طرف سے نہیں ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ شاعرانہ روش کی عبارتیں قرآن میں بلاشبہ موجود ہیں جس کو دفعہ پانزدہم میں بیان ہوا حالانکہ حضرت محمد صاف اقرار کرتے کہ خدا نے مجھ کو شاعری نہیں تعلیم کی یعنی اے کفار مکہ تم غلط کہتے ہو کہ قرآن قول شاعر ہے پس اگر حضرت محمد کو یہ مراد ہوتی کہ عبارت قرآن بھی خدا کی طرف سے ہے تو لازم تھا کہ اس میں ایک جملہ بھی شاعرانہ وضع کا نہ ہوتا پس متحقق ہوا کہ قرآن میں اقرار ہے کہ عبارت قرآن انسان کی طرف سے ہے اور مطلب اور خلاصہ قرآن خدا کی طرف سے ہے چنانچہ قرآن میں صاف لکھا ہے کہ یعنی جو کچھ خدا نے اپنے فضل سے محمد کو سکھایا ہے وہ کچھ اور نہیں ہے الا نصیحت اور کتاب صاف تاکہ اس سے نفع اٹھائے وہ شخص جو مثل ایک کندہ نا تراش کے بے جان اور مردہ نہیں ہے بلکہ جو فہمیدہ اور صاحب غور اور فکر ہے اور یہ جو حسینی میں لکھا ہے کہ حضرت محمد نے ایک بیت غیر موزون پڑھی اور گو ابوبکر صدیق نے اس غلطی کی اطلاع پھر بھی حضرت محمد نے اسے دوبارہ غیر موزون پڑھا جیسے کہ پہلے پڑھا تھا تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت محمد وزن شعر سے ناواقف تھے کیونکہ وہ خود شعر موزون تصنیف کرسکتے تھے چنانچہ اس کی ایک مثال خود صاحب تفسیر حسینی بیان کرتا ہے۔ جیسے کہ نقل ہوچکی اور قاضی بیضاوی ایک اور مثال بیان کرتا ہے۔یعنی

هل انت الا اصبع وبيت   في سبيل الله ما لقيت

اور یہ قول کہ یہ شعر موزون حضرت محمد کی زبان سے اتفاقاً اور بے ارادہ جاری ہوئے قابل اعتبار نہیں کیونکہ احتمال قوی تر ہے کہ حضرت محمد ایسے کامل شاعر تھے کہ انکی زبان سے طبعاً اور بلا تکلف شعر موزون جاری ہوتے تھے اور یہ امر اتفاقی تھا کہ انہوں نے کسی اور شاعر کا قول غیر موزون پڑھا اور یہ ظاہر ہے کہ جب ابوبکر صدیق نے اس غلطی کی اطلاع دی تو حضرت محمد نے جان کر ہٹ کی اور پھر اس شعر کو غلط پڑھا اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابوبکر بھی مثل کفار مکہ کے ان کو شاعر کہنے لگیں۔

دفعہ(17) سوائے دلائل مندرجہ دفعات گذشتہ کے ایک اور دلیل اس امر کی کہ قرآن ہر گز دعویٰ فصاحت اور بلاغت عبارت کا نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے آگے بیان ہوتی ہے سورہ انعام کی آیت 112 وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نِبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاء رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ترجمہ:اور اس طرح رکھے ہیں ہم نے نبی کے دشمن شیطان آدمی اور جن سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع باتیں فریب کی اور اگر تیرا رب چاہتا تو یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور انکا جھوٹ۔ حسینی میں ترجمہ اور تفسیر یوں ہے :

وچنانچہ اے محمد دشمنان ہستند ما گرد ایندم برائے ہر پیغمبر الخ یعنی اور چنانچہ اے محمد دشمن ہیں جو ہم نے قائم کئے ہیں ہر نبی کے لئے الخ اور بطور مقصد اس آیت کے یہ لکھا ہے ازینجا معلوم شدہ کہ وسوسہ شیاطین در سخنان رنگین بے اصل برائے فریب خلق است الخ یعنی یہاں سے معلوم ہوا کہ وسوسہ شیطانوں کا رنگین باتوں میں یعنی کلام فصیح میں بے اصل خلق کے فریب کے لئے ہے الخ اور فریب اسی کے بیضاوی اور معالم میں لکھا ہے :

خلاصہ یہ قرآن میں جا بجا لکھا ہے کہ مشرکین قریش حضرت محمد سے کہتے تھے کہ تو اپنے باپ دادا کے مذہب بت پرستی کی طرف رجوع کر اور قرآن کو بدل ڈال ۔ اور اگر تو سچا ہے تو معجزات مثل انبیاء سلف ظاہر کر اور یہ تقریر شیطانی بہ سخنان رنگین اس فصاحت اور بلاغت سے کرتے تھے کہ حضرت محمد کا ایمان ڈگمگاجاتا تھا اور ان کو شبہ ہوجاتا تھا کہ شائد یہ مشرکین کا ذہین عبادشیاطین سچ کہتے ہوں کہ قصے انبیاء اور ان کی تعلیمات درباب توحید خدا اور قیامت کے جو توریت اور انجیل سے بلباس زبان عربی قرآن میں ہیں جھوٹی کہانیاں اور افترا انسانی ہیں چنانچہ آیت 114 میں یہ شبہ حضرت محمد کا بیان ہوتا ہے أَفَغَيْرَ اللّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنَزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلاً وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ترجمہ: کیا اب سوائے اللہ کے کسی اور کو منصف کروں اور اسی نے اتاری تم

کو کتاب واضح اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نازل ہے تیرے رب کے پاس سے تحقیق سو تو مت ہو شک لانے والا۔ کتاب واضح سے قرآن مراد ہے اور وہ لوگ جن کو کتاب دی ہے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مقصود ہیں چنانچہ مفسرین بیضاوی وغیرہ یہی لکھتے ہیں اس آیت سے ظاہر ہے کہ شک وشبہ جو کفار قریش نے بذریعہ اپنی تقریروں فصیح اور سخنوں رنگیں کے حضرت محمد کے دل میں نسبت مضامین قرآن کے ڈالا تھا بذریعہ گواہی اہل کتاب اور معجزات اور انکی تعلیمات توحید خدا اور آخرت وغیرہ جو قرآن میں مندرج ہیں یقیناً توریت اور انجیل سے ہیں اور اس واسطے خدا کی طرف سے ہیں اور نہ بناوٹ نسانی جیسے کہ کفار مکہ کہتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ تقویت ایمان جو حضرت محمد کو حاصل ہوتی تھی وہ فقط بذریعہ انبیاء سلف کے کتب مقدسہ کے تھی یعنی بگواہی یہود و نصاریٰ کے کہ ان کے پاس یہ کتب مقدسہ موجود تھیں چنانچہ جب کفار قریش نے کہا کہ حضرت محمد ایک شاعر مجنون ہے تو اسکا جواب یہ دیا گیا کہ یہ الزام غلط ہے اور حق یہ ہے کہ حضرت محمد صاحب تصدیق کرنے والے رسولوں سلف کے ہیں جیسے کہ دفعہ 15 کی آخر میں گذرا اور سورہ یونس کی آیت 37: وَمَا كَانَ هَـذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَى مِن دُونِ اللّهِ وَلَـكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لاَ رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ترجمہ: اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنالے سوائے اللہ کے ولیکن سچا کرتا ہے اگلے کلام کو اور بیان کتاب کا جس میں شبہ نہیں جہان کے صاحب سے۔

بیضاوی میں معنی تفصیل الکتاب یہ بیان کئے ہیں و تفصیل ماحقق واثبت من العقائد والشراح یعنی اور تفصیل اسکی جو تحقیق کیا گیا اور ثابت کیا گیا عقیدوں اور شریعتوں سے۔ یعنی جو عقائد اور شریعتیں انبیاء سلف کی حضرت محمد کے نزدیک متحقق اور ثابت ہوئیں بعد تلاش اور تفتیش قریب 20 سال کے کیونکہ حضرت محمد عمر بلوغیت سے متلاشی دین حق کے تھے جیسکہ دفعہ پہلی میں بیان ہوا ہے لیکن بسبب فصاحت اور رنگین کلام کفار قریش اور باعثوں سے جن کا بیان محل مناسب پر ہوگا ایمان حضرت محمد ﷺ میں نسبت کتب مقدسہ سابقہ کے خلل پڑجاتا تھا جیسے کہ اس دفعہ میں گذرا اور سوائے ازیں احادیث سے بھی ثابت ہے کہ بسبب فصاحت اور بلاغت قریش کے حضرت محمد سخت غلطی میں گرفتار ہوتے تھے چنانچہ دفعہ آئندہ میں بیان ہوتا ہے ۔

دفعہ (18) کتاب مشارق الانوار حصہ اول میں حدیث پانصد و پنجم یہ ہے۔ام سلمہ انما انا بشر وانہ یاتینی الخصم فلعل بعضھم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ صادق فاقضی لہ فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیحملھا او یذرھا۔ بخاری اور مسلم میں ام سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں بھی آدمی ہوں اور البتہ آتا ہے میرے پاس مدعی اور مدعا علیہ سو شاید بعضا شخص بعضے سے زیادہ گویا اور خوش تقریر ہوتا ہے تو میں جانتا ہوں کہ وہ سچا ہے تو فیصلہ کردیتا ہوں اس کے موافق سوہود کے سے جس کو میں مسلمان کا حق دلادوں تو وہ اس کے حق میں دوزخ کا ٹکڑا ہے چاہے اس کو اٹھالے یا چاہے چھوڑدے۔

جبکہ خود حضرت محمد کو اور لوگوں کی فصاحت اور بلاغت کلام سے اس قدر دھوکا ہوسکتا تھا کہ فیصلہ ناحق اور ظلم کا کرسکتے تھے تو اہل اسلام کو خبردار ہونا چاہیے کہ فصاحت زبان قرآن کو ہر گز معجزہ نہ خیال کریں اگر ایسا عقیدہ بے اصل رکھیں گے تو ان کو احتمال قوی ہوسکتا ہے کہ شائد ہم دھوکے میں آگے ہوں اور غلطی سے قرآن کو خدا کی طرف سے فرض کرلیا ہو اور اس فصاحت قرآن نے ہم کو دغادی ہو جیسے کہ فصاحت تقریر قریش کی حضرت محمد کو دغا دیتی تھی اور فیصلوں مقدمات میں حضرت محمد تو ظاہراً معذور بھی تھے اور ہم کو کچھ عذر نہیں ہے کیونکہ اگر بالفرض قرآن دعویٰ فصاحت کا ہو تو شبہ ہوتا ہے کہ اس کتاب میں دھوکے کی تقریر ہے حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ فصاحت زبان قرآن کی ایک معجزہ ہے اور مشرکین عرب اس کی مثل نہیں پیدا کرسکتے تھے بلکہ بار بار یہ مذکور ہے کہ قرآن مطابق اور مصداق کتب سماوی سابقہ کے ہے اور اس طریق سے خدا کی طرف سے ہے اور مشرکین عرب اس کی مثل کوئی کتاب نہیں پیدا کرسکتے ہیں چنانچہ دفعات گذشتہ ثابت ہوچکا ہے پس اہل اسلام کو لازم ہے کہ کتب سماوی سابقہ یعنی توریت وانجیل کو عقیدت اور ایمان سے بغور مطالعہ کریں تاکہ ان کے ایمان کی تکمیل ہو اور وہ مسلمان حقیقی بن جائیں زبردستی اپنی تعریف کرنا کہ ہم مسلمان ہیں محض بیکار ہے بلکہ باعث گناہ عظیم کا ہے اور طریقہ اسلام حقیقی پر فقط وہ لوگ ہیں جو بجواب مخالفین یہ نہیں کہیں کہ قرآن

کتاب اللہ ہے اس واسطے کہ اس کی فصاحت بے مثل ہے بلکہ وہ کہیں جو خود حضرت محمد ﷺ نے اپنے زمانے کے مخالفین سے کہتے تھے یعنی یہ کہ قرآن بناوٹ انسانی نہیں بلکہ مصدق اور مطابق توریت اورا نجیل کے اور اس اپنے دعویٰ کو صدوق دل کے ساتھ ثابت کریں۔

ایک اور مثال حدیث سے اس امر کی کہ فصاحت کلام ایک عمل شیطانی ہوسکتی ہے اور اس واسطے معجزہ ربانی ہر گز نہیں ہوسکتا ہے آگے بیان ہوتی ہے۔

کتاب مشارق الانوار حصہ اول میں حدیث 391 یہ ہے۔ علی ان من البیان لسحرا۔ بخاری میں حضرت علی سے روایت ہے کہ حضرت نے علی فرمایا کہ مقرر بعضا بیان جادو ہوتا ہے یعنی جیسے جادو سے آدمی لوٹ پوٹ ہوجاتا ہے ویسے بعضے آدمی کی تقریر ہوتی ہے۔ ف مصابیح میں روایت کہ مشرق سے دو آدمی آئے انہوں نے حضرت کے روبرو خطبہ پڑھا لوگوں کو ان کی خوش تقریری سے بڑا تعجب ہوا تب حضرت نے یہ حدیث فرمائی۔ علماء حدیث نے کہا ہے کہ اگر باطل بات میں خوش تقریری کرے تو حرام ہے اور حق پسند ہے۔ ظاہر ہے کہ خطبہ میں کوئی باطل بات حضرت محمد کی رائے میں نہیں ہوسکتی تھی پھر کیوں کہا کہ بعضا بیان سحر ہوتا ہے یعنی عمل شیطانی ہوتا ہے یہ کیوں نہ کہا کہ بعضا بیان اثر ربانی پیدا کرتا ہے پس یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد کی رائے میں فصاحت اور بلاغت کلام کوئی خاص نشانی خدا سے نہیں تھی کہ اس کو وہ معجزہ قرار دیتے خلاصہ۔ یہ کہ جب موافق قرآن اور حدیث کے یہ متحقق ہوا کہ فصاحت کلام ایک ایسی شئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے ایک جھوٹی بات سچی معلوم ہونے لگتی ہے اور اس واسطے وہ ایک عمل شیطانی یا سحر ہے پس محال ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے کلام کی تصدیق کے لئے معجزہ فصاحت کو کام میں لائے۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر حضرت محمد کی زبان سے کسی سورت کو سن کر بسبب فصاحت کے کسی اہل عرب کے دل پر ایسا اثر ہوا ہو کہ وہ حضرت محمد کی نبوت پر ایمان لایا ہو تو ایسے شخص کا ایمان کچھ کام نہیں غرضیکہ علماء حدیث نے سچ کہا کہ اگر باطل بات میں خوش تقریری کرے تو حرام ہے اور حق بات میں پسند ہے پس معلوم ہوا کہ حق ہونا قرآن کا اسکی فصاحت پر موقوف نہیں ہوسکتا بلکہ اور معجزوں پر پس ظاہر ہے کہ معجزہ قرآن فصاحت کا نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو ہم نے موافق قرآن کے بیان کیا ایک اور دلیل اس امر کی کہ معجزہ فصاحت زبان قرآن کا حضرت محمد کے وہم وگمان میں بھی ہر گز نہ تھا دفعہ آئندہ میں بیان ہوتی ہے۔

دفعہ (19)سورہ انعام کی آیت 93 میں یہ لکھا ہے وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوْحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ یعنی اور کون ظالم زیادہ تر اس سے جو افترا کرے اللہ پر ایک جھوٹ یا کہے وحی کی گئی طرف میرے اور ہر گز نہیں وحی کی گئی طرف اس کے کچھ۔ مفسرین مثل بیضاوی وغیرہ نسبت جملہ اول آیت بالا کے یہ لکھتے ہیں کہ اس جائے اشارہ طرف مسلیمہ وغیرہ کے ہے کہ انہوں نے زمانہ حضرت محمد میں جھوٹ موٹ دعویٰ نبی ہونے کا کیا تھا۔ جملہ دوم کی نسبت قاضی بیضاوی یہ لکھتا ہے کہ کعبد اللہ بن سعد ابی سرح کان یکتب الرسول اللہ فلما نزلت ولقد خلقنا الانسان من سلالتہ من طین فلماً بلغ قولہ ثم انشاء ناخلقا آخر قال عبداللہ تبارک اللہ احسن الخالقین تعجباًمن تفصیل خلق الانسان فقال عم اکتبہا فکذلکہ نذلت فشکہ عبداللہ وسال لین کان محمد صادقاً لقد اوحی الی کما اوحی الیہ ولین کان ذبا بلقد قلت کمال قال یعنی جیسے عبداللہ بن سعد ابی سرح جو (قرآن) واسطے رسول اللہ کے لکھتا تھا پس جب نازل ہوئی (عبارت آئندہ قرآن یعنی آئیتں 12و13و14 سورہ مومنین کی) اور ہم نے بنایا ہے آدمی چکنی مٹی سے پس جب پہنچا (یہاں تک) پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں کہا عبداللہ نے سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر خالق ہے تعجب کرکے فضیلت پیدائش انسان سے پس کہا حضرت محمد نے لکھ اس کو پس ایسا ہی نازل ہوا ہے (یعنی جو بات عبداللہ نے کہی وہ محمد صاحب کو وحی سے نازل ہوئی) پس عبداللہ کو شک پڑا اور اس نے کہا کہ اگر محمد صادق ہے تو تحقیق مجھ کو وحی جیسے کہ اس وحی ہوئی (یعنی جو بات کہ حضرت محمد کے دل میں وحی سے ڈالی گئی سو میرے دل میں ڈالی گئ پس مجھے بھی خدا کی طرف سے وحی ہوئی) اور اگر محمد جھوٹا ہے تو تحقیق میں نے کہا جیسا کہ اس نے کہا۔ صاحب تفسیر حسینی بھی ہی قصہ عبداللہ کا لکھتا ہے اور سوائے اس کے یہ کہ وہ مرتد ہوگیا یعنی اسلام کو ترک کرکے پھر بت پرست ہوگیا اور تفسیر معالم میں قول آئندہ اور زیادہ ہے وکان اذا املی سمیعا بصیر کتب علیما حکیما واذاقال علیما حکیما کتب غفور رحیما یعنی بتایا اس کو سننے والا دیکھنے والا وہ لکھتا علم والا اور حکیم۔ اور جب کہا علم والا حکمت والا وہ دیکھتا غفور رحیم الخ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عبداللہ نے تحریف

معنوی اور لفظی قرآن کی محمد ﷺ کے زمانہ میں کی کیا معلوم ہے کہ سوائے تحریفوں مذکورہ بالا کے اورک یا کیا خرابیاں عبداللہ نے قرآن میں کی ہونگی اور قرآن مروجہ زمانہ حال ملک ہند کی کس قدر اصل قرآن سے مختلف ہے تاریخ ابوالفدا ترجمہ اردو میں نسبت اسی عبداللہ کاتب قرآن کے یہ مرقوم ہے ۔اور اس عبداللہ مذکورہ کا یہ حال ہے کہ یہ شخص قبل از فتح مکہ مسلمان ہوچکا تھا وحی لکھا کرتا تھا مگر اس کمبخت کو دہت تھی کہ قرآن شریف کو مبدل کیا کرتا تھا پھر مرتد ہو گیا تھا اس واسطے حضرت نے اس کا خون کیا یعنی حکم قتل دیا تھا۔ لیکن پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ جو کچھ قصہ عبداللہ بن سعد ابی سرح کا یہاں تک بیان ہوا اس سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ محمد ﷺ کے وہم وگمان میں بھی یہ امر نہیں تھا کہ باعتبار فصاحت اور بلاغت کے قرآن ایک معجزہ ہے کیونکہ اگر محمد ﷺ کو یہ خیال ہوتا تو ایک آدمی مثل عبداللہ کے تصنیف کئے ہوئے جملہ عبارت کی نسبت ہر گز نہیں کہتے کہ اسی جملہ عبارت کو خدا نے تصنیف کیا ہے اور میرے دل میں وحی سے ڈالا ہے کیونکہ جب عبداللہ نے یا کسی اور آدمی نے ایک یا دو آئیتں فصیح مثل قرآن کہہ دیں تو قرین قیاس ہے کہ کوئی آدمی عبارت فصیح مثل سورہ اخلاص کہ کہہ سکے اور یہ سورہ آگے نقل ہوتا ہے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌاللَّهُ الصَّمَدُلَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْوَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ اور جملہ عبارت عبداللہ کا یہ ہے تبارک اللہ احسن الخالقین ۔ ظاہر ہے کہ کہ سورہ اخلاص چار آیتوں پر مشتمل ہے اور ہر آیت میں مختلف طرح کی تعریف خدا ہے اور آیت عبداللہ ایک بڑی آیت ہے اور اس میں بھی ایک طور کے تعریف خدا ہے اور جب یہ ہوا تو کیا محال ہے کہ کوئی آدمی ایک بڑی یا کئی سورتوں قرآنی کی برابر عبارت فصیح اپنے دل سے پیدا کرے پس موافق قول بے اصل ان لوگوں کو جو قرآن کی عبارت کو معجزہ قرار دیتے ہیں سارے دعویٰ قرآن کے رو ہوئے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی دعویٰ معجزہ قرآن کا نسبت مشرکین مکہ بلکہ مشرکین ہر زمانہ اور ہر ملک کے رد نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے اور یہ دعویٰ قرآنی فقط یہ ہے اور کچھ نہیں یعنی قرآن میں حالات اور معجزات اور تعلیمات توحید خدا اور آخرت اور قیامت وغیرہ انبیاء سلف کے درج ہیں پس بلامدد خدا یعنی بلاوسیلہ کتب سماوی توریت اور انجیل کے کسی مشرک قوم کی مجال نہیں کہ مثل قرآن کوئی کتاب یا کوئی چھوٹا سا رسالہ بھی بھی فقط اپنے دل سے پیدا کرسکیں اور یہ جو عبداللہ نے ایک جملہ تعریف خدا میں کہہ دیا یا اسکا باعث یہ تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور مدت سے کاتب قرآن تھا پس اللہ یعنی اسکی کتب مقدسہ سابقہ اس شخص کی بھی مددگار تھیں اور بسبب مطالعہ قرآن کے صفات او رکمالات خالقیت وغیرہ خدا سے وہ خوب واقف ہو گیا تھا۔

تمام شد